بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

جماعت اسلامی کے منہج وفکر کا تجزیہ

جماعت اسلامی کے منہج وفکر کا تجزیہ

«قیامِ خلافت» وہ فریضہ ہے کہ جس کی بنیاد پر تاریخ اسلامی کے ہر دور میں مختلف جماعتیں یا گروہ وجود میں آتے رہے خصوصاً خلافت کے سقوط سے قبل اس کے غیر مؤثر ہونے کی وجہ سے وجود میں آئے، جن میں تحریک شہیدین، 1857ء کی جنگِ آزادی اور تحریک ریشمی رومال قابلِ ذکر ہیں۔پھر خلافت کے سقوط کے بعد تو اس فریضہ کی ادائیگی کا جذبہ مسلمانوں کے اندر اور تیزی سے سرائیت کر گیا اور بلادِ اسلامیہ کے اندر اعلاء کلمۃ اللہ اور خلافت کے قیام کے لئے تحریکیں اور جماعتیں وجود میں آئیں جنہوں نے مسلمانوں کے اندر اس نظریہ کے عام کرنے میں بہت اہم کردار ادا کیا۔جن میں برصغیر پاک و ہند میں کھڑی ہونے والی جماعتیں بھی قابل ذکر ہیں۔

یہ بات کسی سے مخفی نہیں کہ یہود و نصاریٰ اور وقت کے طاغوتی حکمرانوں کو اپنے مفادات اور اقتدار سے حقیقی خطرہ صرف مسلمانوں کے اِسی طبقے سے ہوتا ہے۔لہٰذا ان کی یہ کوشش ہوتی ہے کہ اوّلاً مسلمانوں میں ایسی تحریکیں وجو د میں ہی نہ آئیں اور اگر بالفرض ایسا ہو بھی جائے تو ان کی حتی الامکان یہ کوشش ہوتی ہے کہ ایسی تحریکوں کو شرعی منہج یا طریقہ کار سے غیر محسوس طریقے سے ہٹا کر، دوسرے طریقوں اور راستوں کو وقت کی ''حکمت و مصلحت'' اور ''جواز'' کے عنوانات کے ذریعے اختیار کرانے کی کوشش کی جائے۔

اور سقوطِ خلافت کی بعد کی تاریخ شاہد ہے کہ حقیقت میں ایسا ہی ہوا کہ خلافت کے قیام کے لئے نہ جانے امت مسلمہ میں کتنی ہی تحریکیں اور جماعتیں بڑے ہی خلوص و اخلاص کے ساتھ کھڑی ہوئیں، مگر اپنو ں کی نادانیوں اور غیروں کی ریشہ دوانیوں کی وجہ سے، ان میں سے اکثر نے شریعت کے بتائے منہج و طریقہ کے بجائے وہ منہج و طریقہ کار اختیار کیا جو کہ ایسے تاریک راستوں کی جانب لے گیا جس کی منزل خلافت نہیں بلکہ امت مسلمہ میں رائج طاغوتی نظام کے تحفظ و استحکام کی صورت میں نکلا۔

لہٰذا ہم عصر حاضر میں اقامت دین کے لئے کھڑے ہونے والی جماعتوں، خاص کر پاکستان میں کام کرنے والی جماعتوں کے منہج و فکر کا جائزہ لیں گے۔تاکہ مسلمانانِ پاکستان کے سامنے قیامِ خلافت کے فریضہ کی ادائیگی کے

لئے شریعت کے رہنما اصول واضح ہو سکیں جس کی وجہ سے ایک طرف ان کے لئے یہ فیصلہ کرنا آسان ہو جائے کہ وہ اس فرئضہ کی ادائیگی کے لئے کس تحریک یا جماعت کو اختیار کریں اوردوسری طرف وہ مسلمان جو پہلے ہی کسی اجتماعیت کو اختیارکئے ہوئے ہیں ان کے لئے بھی یہ طے کرنا آسان ہو جائے کہ وہ جس اجتماعیت کے ساتھ ہیں، اس کا منہج اور طریقہ کار شریعت کے مطابق بھی ہے یانہیں۔

اللہ تعالیٰ ہمیں قیام خلافت کے لئے اپنے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے بتائے منہج و طریقہ کار کو اختیار کرنے کی توفیق عطا فرمائے اور ہر ایسے راستے سے بچائے جوکہ گمراہی و ضلالت کی طرف لے جانے والا ہے۔آمین!

نصب العین کا تعین

کسی بھی جماعت کے نصب العین کا تعین بنیادی طور پر دو چیزوں سے ہوتا ہے:

(1)جماعت کے قیام کا مقصد

(2)مقصد کے حصول کے لئے طریقہ کار

لہٰذا وہ جماعتیں جن کا مقصد پاکستان میں ''اقامت دین'' یا بالفاظ دیگر شریعت کا نفاذ ہے،ان میں سے چند اہم جماعتوں کے مقصدِ قیام اور مقصد کے حصول کے لئے طریقہ کار کا تجزیہ قرآن وسنت کی روشنی میں سلف صالحین کے فہم پر کریں گے۔

کسی بھی جماعت کے مقصدِ قیام اوراس مقصد کے حصول کے طریقہ کار کو واضح کرنے کا سب سے بہترین طریقہ یہ ہے کہ اس جماعت کے بانی ومؤسّس کی زبانی اس کو بیان کیا جائے تاکہ اس جماعت کے نصب العین کا صحیح تعین کیا جاسکے اور اس نصب العین کی شرعی حیثیت بھی واضح ہوسکے۔

دستور جماعت اسلامی کی دفعہ 4 میں اس جماعت کا نصب العین یہ درج ہے:

‹‹جماعت اسلامی پاکستان کا نصب العین اور اس کی تمام سعی وجہد کا مقصود اقامت دین (حکومت الٰہیہ یا اسلامی زندگی کا قیام) اور حقیقتاً رضائے الٰہی اور فلاح اخروی کا حصول ہوگا››۔

(دستور جماعت اسلامی پاکستان ص 14)

اگست 1941ء میں کا پہلا اجتماع جس میں جماعت اسلامی کی داغ بیل ڈالی گئی اس میں سید ابوالا علیٰ مودودیؒ کہتے ہیں:

«یہ بات ہر اس شخص کو جو جماعت اسلامی میں آئے، اچھی طرح سمجھ لینی چاہیے کہ جو کام اس جماعت کے پیش نظر ہے وہ کوئی ہلکا اور آسان کام نہیں ہے۔ اسے دنیا کے پورے نظام زندگی کو بدلنا ہے۔ اسے دنیا کے اخلاق، سیاست، تمدن، معیشت، معاشرت ہر چیز کو بدل ڈالنا ہے۔ دنیا میں نظام حیات خدا سے بغاوت پر قائم ہے اسے بدل کر خدا کی اطاعت پر قائم کرنا ہے اور اس کام میں تمام شیطانی طاقتوں سے اس کی جنگ ہے»۔

(روداد اجتماع اول، اقتباس از "تحریک اسلامی کا آئندہ لائحہ عمل" ص30)

1945ء میں جماعت اسلامی کے اجتماع میں ایک تقریر میں سید ابوالا علیٰ مودودیؒ کہتے ہیں:

«ہماری جدوجہد کا آخری مقصود انقلاب امامت ہے، یعنی دنیا میں ہم جس انتہائی منزل تک پہنچنا چاہتے ہیں وہ یہ ہے کہ فساق وفجار کی امامت و قیادت ختم ہو کر امامت صالحہ کا نظام قائم ہو اور اس سعی و جہد کو ہم رضائے الٰہی کے حصول کا ذریعہ سمجھتے ہیں.........دراصل فساق وفجار کی قیادت ہی نوع انسانی کے مصائب کی جڑ ہے اور انسان کی بھلائی کا سارا انحصار صرف اس بات پر ہے کہ دنیا کے معاملات کی سربراہ کاری صالح لوگوں کے ہاتھ میں ہو»۔

(اقتباس از "تحریک اسلامی کا آئندہ لائحہ عمل" ص34)

مئی 1947ء میں جماعت اسلامی کے اجتماع میں سید ابوالا علیٰ مودودی نے ایک مفصل تقریر کی جو کہ "جماعت اسلامی کی دعوت" کے عنوان سے شائع ہو چکی ہے۔ اس میں جماعت اسلامی کے مقصدِ قیام کو بیان کرتے ہوئے سید ابوالا علیٰ مودودی کہتے ہیں:

موجودہ تہذیب، جس پر آج دنیا کا پورا فکری، اخلاقی، تمدنی، سیاسی اور معاشی نظام چل رہا ہے، دراصل تین بنیادی اصولوں پر قائم ہے:

«لادینی، قوم پرست اور جمہوریت۔ جماعت اسلامی جس مقصد کے لئے کام کر رہی ہے وہ یہ نہیں ہے کہ سارا نظام زندگی چلتا رہے انہی بنیادوں پر، مگر اس کے چلانے والے ہاتھ انگریزوں کے ہاتھ نہ رہیں بلکہ ہندوستانی یا مسلمان قوم کے ہاتھ ہو جائیں۔ اس کے برعکس جماعت اسلامی یہ چاہتی ہے کہ اس پورے نظام زندگی کو ان بنیادوں سے اکھاڑ کر تین دوسری بنیادوں پر قائم کیا جائے: لادینی

کے مقابلے میں خدا کی بندگی واطاعت، قوم پرستی کے مقابلے میں انسانیت، اور جمہور کی حاکمیت کے مقابلے میں خدا کی بندگی واطاعت

»۔

(اقتباس از "تحریک اسلامی کا آئندہ لائحہ عمل" ص36)

جماعت اسلامی کے مقصدِ قیام کے حصول کے لئے طریقہ کار کا تعین

جماعت اسلامی کے دستور کی دفعہ 5 میں جماعت کے طریق کار کے تحت یہ لکھا گیا:

"جماعت کا مستقل طریق کار یہ ہوگا:

1۔ وہ کسی امر کا فیصلہ کرنے یا کوئی قدم اٹھانے سے پہلے یہ دیکھے گی کہ خدا اور رسول کی ہدایت کیا ہے۔ دوسری ساری باتوں کو ثانوی حیثیت سے صرف اس حد تک پیش نظر رکھے گی جہاں تک اسلام میں اس کی گنجائش ہوگی۔

2۔ اپنے مقصد اور نصب العین کے حصول کے لئے جماعت کبھی ایسے ذرائع اور طریقوں کو استعمال نہیں کرے گی جو صداقت اور دیانت کے خلاف ہوں یا جن سے فساد فی الارض رونما ہو۔

3۔ جماعت اپنے پیش نظر اصلاح اور انقلاب کے لئے جمہوری اور آئینی طریقوں سے کام کرے گی۔ یعنی یہ کہ تبلیغ و تلقین اور اشاعتِ افکار کے ذریعہ سے ذہنوں اور سیرتوں کی اصلاح کی جائے گی اور رائے عامہ کو ان تغیرات کے لئے ہموار کیا جائے جو جماعت کے پیش نظر ہیں۔

4۔ جماعت اپنے نصب العین کے حصول کی جدوجہد خفیہ تحریکوں کے طرز پر نہیں کرے گی بلکہ کھلم کھلا اور علانیہ کرے گی۔

(دستور جماعت اسلامی پاکستان ص15)

فروری 1975ء جماعت کے ارکان کے اجتماع عام بہاولپور میں ماچھی گوٹھ کے مقام پر منعقد ہوا جس میں جماعت کے آئندہ لائحہ عمل کے متعلق واضح اور قطعی طریقہ معین کیا گیا۔ اس ضمن میں سید ابوالاعلیٰ مودودی نے ایک قرارداد پیش کی جس میں جماعت کے طریقہ کار کا تعین یوں کیا گیا:

«علاوہ ازیں چوں کہ جماعت اسلامی اپنے دستور کی رو سے اپنے پیش نظر اصلاح و انقلاب کے لئے جمہوری و آئینی طریقوں پر کام کرنے کی پابند ہے اور پاکستان میں اس اصلاح و انقلاب کے عملاً رونما ہونے کا ایک ہی آئینی راستہ ہے اور وہ ہے انتخابات کا راستہ، اس لئے جماعت اسلامی ملک کے انتخابات سے بے تعلق تو بہر حال نہیں رہ سکتی۔ خواہ وہ ان میں بلاواسطہ حصہ لے یا بالواسطہ یا دونوں طرح »۔

(اقتباس از "تحریک اسلامی کا آئندہ لائحہ عمل" ص 11)

پھر اس قرارداد کے اس حصے « جماعت اسلامی ملک کے انتخابات سے بے تعلق تو بہر حال نہیں رہ سکتی۔ خواہ وہ ان میں بلاواسطہ حصہ لے یا بالواسطہ یا دونوں طرح» کی وضاحت سید ابوالاعلیٰ مودودی "تبدیلی قیادت کا واحد راستہ، انتخابات" کے ضمن میں کہتے ہیں:

«اس معاملے میں صحیح رائے قائم کرنے کے لئے تین حقیقتیں واضح طور پر آپ کی نگاہ میں رہنی چاہئیں:

پہلی یہ کہ آپ اس ملک میں اسلامی نظام زندگی عملاً قائم کرنا چاہتے ہیں اور اس کے لئے قیادت کی تبدیلی ناگزیر ہے۔

دوسری یہ کہ آپ جس ملک میں کام کر رہے ہیں وہاں ایک آئینی و جمہوری نظام قائم ہے اور اس نظام میں قیادت کی تبدیلی کا ایک ہی آئینی راستہ ہے.........انتخابات

تیسری یہ کہ آئینی و جمہوری نظام میں رہتے ہوئے تبدیلی قیادت کے لئے کوئی غیر آئینی راستہ اختیار کرنا شرعاً آپ کے لئے جائز نہیں ہے اور اسی بناء پر آپ کی جماعت کے دستور نے آپ کو اس امر کا پابند کیا ہے کہ آپ اپنے پیش نظر اصلاح و انقلاب کے لئے آئین و جمہوری طریقوں ہی سے کام کریں۔

ان تین حقیقتوں کو ملا کر جب آپ غور کریں گے تو بالکل منطقی طور پر ان سے وہی نتیجہ نکلے گا جو قرارداد میں بیان کیا گیا ہے۔ آپ انتخابات میں آج حصہ لیں یا دس، بیس، پچاس برس بعد بہر حال، اگر آپ کو یہاں کبھی اسلامی نظام زندگی قائم کرنا ہے تو راستہ آپ کو انتخابات ہی کا اختیار کرنا پڑے گا»۔

(اقتباس از "تحریک اسلامی کا آئندہ لائحہ عمل" ص138)

«ہمارا ملک جس جمہوری طرز پر چل رہا ہے، اس میں نظام زندگی کی تبدیلی لانے کے لئے بہر حال یہ ناگزیر ہے کہ ہمارے ارکان اور متفقین کی ایک کثیر تعداد عملاً اس جمہوری طرز حکومت کی پوری مشینری سے واقف ہو اور اس کے کام کو چلانے میں مہارت پیدا کرے۔ یہ واقفیت اور مہارت کہیں باہر سے نہیں لائی جاسکتی، اسی کام (جمہوریت اور انتخابات) میں پڑ کر بتدریج پیدا کی جاسکتی ہے۔ انتخابی کام کے تجربہ کار خود انتخابات ہی میں تیار ہوں گے»۔

(اقتباس از ''تحریک اسلامی کا آیندہ لائحہ عمل'' ص126)

اس سے پہلے کہ جماعت کے مقاصد یا نصب العین اور طریقہ کار کا شرعی طور پر جائزہ لیا جائے، ہم یہ دیکھ لیتے ہیں کہ کہیں خود جماعت کے نصب العین اور طریقہ کار ہی میں واضح تضادات تو موجود نہیں کیونکہ جب مقصد اور طریقہ کار میں ہی کھلم کھلا تضادات پائے جاتے ہوں تو پھر کسی بھی چیز کے مقصد کا حصول تقریباً ناممکن ہو جاتا ہے۔

جماعت کے مقصدِ قیام اور طریقہ کار میں تضادات

کوئی بھی صاحب عقل و دانش اگر جماعت کے مقاصد یا نصب العین کو سامنے رکھتے ہوئے اس کے طریقہ کار کو دیکھے تو اس کے سامنے یہ حقیقت روز روشن کی طرح عیاں ہو جائے گی کہ جماعت کے مقصدِ قیام اور طریق کار میں ہی واضح اور کھلم کھلا تضادات موجود ہیں جو کہ جماعت کے قیام کے مقصد ہی کو فوت کر دیتے ہیں۔وہ تضادات کیا ہیں ان کو سامنے رکھ لیتے ہیں:

پہلا بنیادی تضاد: « نظام کی تبدیلی سے متعلق »

جیسا کہ ہم ابھی پڑھ آئے ہیں کہ سید ابو الاعلیٰ مودودی کی نظرجماعت کے قیام کا مقصد دنیا میں رائج نظام کو بدلنا ہے چنانچہ جو بھی شخص جماعت میں شامل ہو اس کے لئے وہ لازم سمجھتے ہیں کہ:

« اسے دنیا کے پورے نظام زندگی کو بدلنا ہے.........دنیا میں نظام حیات خدا سے بغاوت پر قائم ہے اسے بدل کر خدا کی اطاعت پر قائم کرنا ہے »۔

پھران کے نظر میں دنیا میں چلنے والے نظام کی تین بنیادیں ہیں:

«موجودہ تہذیب، جس پر آج دنیا کا پورا فکری، اخلاقی، تمدنی، سیاسی اور معاشی نظام چل رہا ہے، دراصل تین بنیادی اصولوں پر قائم ہے: لا دینی، قوم پرست اور جمہوریت»۔

پھر وہ جماعت کے مقصدِ قیام کی وضاحت کرتے ہوئے واضح الفاظ میں کہتے ہیں کہ:

«جماعت اسلامی جس مقصد کے لئے کام کر رہی ہے وہ یہ نہیں ہے کہ سارا نظام زندگی چلتا رہے انہی بنیادوں پر، مگر اس کے چلانے والے ہاتھ انگریزوں کے ہاتھ نہ رہیں بلکہ ہندوستانی یا مسلمان قوم کے ہاتھ ہو جائیں»۔

پھر اس کی مزید وضاحت یوں کرتے ہیں:

«اس کے برعکس جماعت اسلامی یہ چاہتی ہے کہ اس پورے نظام زندگی کو ان بنیادوں سے اکھاڑ کر تین دوسری بنیادوں پر قائم کیا جائے: لا دینی کے مقابلے میں خدا کی بندگی و اطاعت، قوم پرستی کے مقابلے میں انسانیت، اور جمہور کی حاکمیت کے مقابلے میں خدا کی بندگی و اطاعت»۔

پھر جماعت کے دستور میں یہ بات درج ہے کہ جماعت ہر ایسے ذرائع اور طریقوں سے اجتناب کرے گی جو کہ ''فساد فی الارض'' کی صورت میں دنیا میں رائج ہوں گے:

«اپنے مقصد اور نصب العین کے حصول کے لئے جماعت کبھی ایسے ذرائع اور طریقوں کو استعمال نہیں کرے گی جو صداقت اور دیانت کے خلاف ہوں یا جن سے فساد فی الارض رونما ہو»۔

اس حقیقت کے اعتراف کے باوجود کہ دنیا میں نظام حیات خدا سے بغاوت پر قائم ہے، اور یہ کہ دنیا کے پورے نظام زندگی کو بدلنا ہے، اور یہ کہ موجودہ تہذیب کا نظام حیات تین بنیادوں پر کھڑا ہے جس میں سے ایک ''جمہوریت'' ہے، اس کے علاوہ یہ کہ ان تمام امور پر اس عزم کا اظہار کہ جماعت اسلامی جس مقصد کے لئے کام کر رہی ہے وہ یہ نہیں ہے کہ سارا نظام زندگی چلتا رہے انہی بنیادوں پر، اور یہ کہ جماعت اسلامی یہ چاہتی

ہے کہ اس پورے نظام زندگی کو ان بنیادوں سے اکھاڑ کر تین دوسری بنیادوں پر قائم کیا جائے (جن میں سے ایک) جمہور کی حاکمیت کے مقابلے میں خدا کی بندگی و اطاعت، اور یہ کہ جماعت کبھی ایسے ذرائع اور طریقوں کو استعمال نہیں کرے گی جو صداقت اور دیانت کے خلاف ہوں یا جن سے فساد فی الارض رونما ہو، لیکن ان تما م حقیقتوں اور عزائم کے اظہار کے باوجود جماعت اسلامی نے اپنا لائحہ عمل اور طریقہ کار اسی نظام حیات سے مستعار لیا جو کہ خدا سے بغاوت پر قائم ہے اور جس کی بنیادی ستونوں میں سے ایک ''جمہوریت'' ہے جو کہ زمین پر فساد فی الارض کی آج سب سے بڑی علامت ہے۔

چنانچہ ''جمہوریت'' کو تہذیب حاضر کا بنیادی ستون ماننے کے باوجود جماعت کے طریق کار سے متعلق ذرا درج ذیل الفاظ کو دوبارہ غور سے پڑھیئے، آپ کو خود بہ خود جماعت کے مقصدِ قیام اور طریق کار میں واضح تضاد نظر آجائے گا:

.........جماعت اپنے پیش نظر اصلاح اور انقلاب کے لئے جمہوری اور آئینی طریقوں سے کام کرے گی۔

.........علاوہ ازیں چونکہ جماعت اسلامی اپنے دستور کی رو سے اپنے پیش نظر اصلاح و انقلاب کے لئے جمہوری و آئینی طریقوں پر کام کرنے کی پابند ہے اور پاکستان میں اس اصلاح و انقلاب کے عملاً رونما ہونے کا ایک ہی آئینی راستہ ہے اور وہ ہے انتخابات کا راستہ۔

.........ہمارا ملک جس جمہوری طرز پر چل رہا ہے، اس میں نظام زندگی کی تبدیلی لانے کے لئے بہرحال یہ ناگزیر ہے کہ ہمارے ارکان اور متفقین کی ایک کثیر تعداد عملاً اس جمہوری طرز حکومت کی پوری مشینری سے واقف ہو اور اس کے کام کو چلانے میں مہارت پیدا کرے۔یہ واقفیت اور مہارت کہیں باہر سے نہیں لائی جا سکتی، اسی کام میں پڑ کر بتدریج پیدا کی جا سکتی ہے۔

.........آئینی و جمہوری نظام میں رہتے ہوئے تبدیلی قیادت کے لئے کوئی غیر آئینی راستہ اختیار کرنا شرعاً آپ کے لئے جائز نہیں ہے۔

یعنی یہ کہ جس نظام حیات سے بغاوت کے لئے کھڑے ہوئے اور جس نظام کو جڑ سے اکھاڑ نے کا عزم لے کر میدان آنے کا اعلان کیا لیکن دوسری طرف طریق کار میں اس ہی نظام کی ایک بنیاد.........جمہوریت اور انتخابات.........کا اپنے آپ کو دستوری طورپر پابند کر دیا۔واللہ! یہ کیسی خود فریبی اور بے عقلی ہے کہ جس نظام کو جڑ سے اکھاڑنا جماعت کا مقصد ٹھہرا تھا اسی نظام کی بنیادوں کو مضبوط کرنا جماعت کا دستوری طریق کار ٹھہرا۔

یہ ہے سب سے بنیادی تضاد جو کہ خود جماعت کے مقصدِ قیام اور طریق کار میں پایا جاتا ہے جو کہ جماعت کے مقصدِ قیام کو ہی فوت کر دیتا ہے اور مقصد کے حصول کے لئے کی جانے والی ساری محنتوں کو لا حاصل اور رائیگاں کر دیتا ہے۔ نتیجتاً ساری سعی و جدوجہد غیر شعوری طور پرخدا کی بغاوت پر قائم نظام حیات کو اکھاڑنے کے بجائے اس کو مضبوط کرنے میں لگ جاتی ہیں اور نظام باطل مضبوط سے مضبوط تر ہوتا چلا جاتا ہے۔

جماعت کے مقصدِ قیام اور طریقہ کار میں تضادات

کوئی بھی صاحب عقل و دانش اگر جماعت کے مقاصد یا نصب العین کو سامنے رکھتے ہوئے اس کے طریقہ کار کو دیکھے تو اس کے سامنے یہ حقیقت روز روشن کی طرح عیاں ہو جائے گی کہ جماعت کے مقصدِ قیام اور طریق کار میں ہی واضح اور کھلم کھلا تضادات موجود ہیں جو کہ جماعت کے قیام کے مقصد ہی کو فوت کر دیتے ہیں۔وہ تضادات کیا ہیں ان کو سامنے رکھ لیتے ہیں:

پہلا بنیادی تضاد: « نظام کی تبدیلی سے متعلق »

جیسا کہ ہم ابھی پڑھ آئے ہیں کہ سید ابو الاعلیٰ مودودی کی نظرجماعت کے قیام کا مقصد دنیا میں رائج نظام کو بدلنا ہے چنانچہ جو بھی شخص جماعت میں شامل ہو اس کے لئے وہ لازم سمجھتے ہیں کہ:

« اسے دنیا کے پورے نظام زندگی کو بدلنا ہے.........دنیا میں نظام حیات خدا سے بغاوت پر قائم ہے اسے بدل کر خدا کی اطاعت پر قائم کرنا ہے »۔

پھران کے نظر میں دنیا میں چلنے والے نظام کی تین بنیادیں ہیں:

«موجودہ تہذیب، جس پر آج دنیا کا پورا فکری، اخلاقی، تمدنی، سیاسی اور معاشی نظام چل رہا ہے، دراصل تین بنیادی اصولوں پر قائم ہے: لا دینی، قوم پرست اور جمہوریت»۔

پھر وہ جماعت کے مقصدِ قیام کی وضاحت کرتے ہوئے واضح الفاظ میں کہتے ہیں کہ:

«جماعت اسلامی جس مقصد کے لئے کام کر رہی ہے وہ یہ نہیں ہے کہ سارا نظام زندگی چلتا رہے انہی بنیادوں پر، مگر اس کے چلانے والے ہاتھ انگریزوں کے ہاتھ نہ رہیں بلکہ ہندوستانی یا مسلمان قوم کے ہاتھ ہو جائیں»۔

پھر اس کی مزید وضاحت یوں کرتے ہیں:

«اس کے برعکس جماعت اسلامی یہ چاہتی ہے کہ اس پورے نظام زندگی کو ان بنیادوں سے اکھاڑ کر تین دوسری بنیادوں پر قائم کیا جائے : لا دینی کے مقابلے میں خدا کی بندگی و اطاعت، قوم پرستی کے مقابلے میں انسانیت، اور جمہور کی حاکمیت کے مقابلے میں خدا کی بندگی و اطاعت»۔

پھر جماعت کے دستور میں یہ بات درج ہے کہ جماعت ہر ایسے ذرائع اور طریقوں سے اجتناب کرے گی جو کہ ''فساد فی الارض'' کی صورت میں دنیا میں رائج ہوں گے:

«اپنے مقصد اور نصب العین کے حصول کے لئے جماعت کبھی ایسے ذرائع اور طریقوں کو استعمال نہیں کرے گی جو صداقت اور دیانت کے خلاف ہوں یا جن سے فساد فی الارض رونما ہو»۔

اس حقیقت کے اعتراف کے باوجود کہ دنیا میں نظام حیات خدا سے بغاوت پر قائم ہے، اور یہ کہ دنیا کے پورے نظام زندگی کو بدلنا ہے، اور یہ کہ موجودہ تہذیب کا نظام حیات تین بنیادوں پر کھڑا ہے جس میں سے ایک ''جمہوریت'' ہے، اس کے علاوہ یہ کہ ان تمام امور پر اس عزم کا اظہار کہ جماعت اسلامی جس مقصد کے لئے کام کر رہی ہے وہ یہ نہیں ہے کہ سارا نظام زندگی چلتا رہے انہی بنیادوں پر، اور یہ کہ جماعت اسلامی یہ چاہتی

ہے کہ اس پورے نظام زندگی کو ان بنیادوں سے اکھاڑ کر تین دوسری بنیادوں پر قائم کیا جائے (جن میں سے ایک) جمہور کی حاکمیت کے مقابلے میں خدا کی بندگی و اطاعت، اور یہ کہ جماعت کبھی ایسے ذرائع اور طریقوں کو استعمال نہیں کرے گی جو صداقت اور دیانت کے خلاف ہوں یا جن سے فساد فی الارض رونما ہو، لیکن ان تما م حقیقتوں اور عزائم کے اظہار کے باوجود جماعت اسلامی نے اپنا لائحہ عمل اور طریقہ کار اسی نظام حیات سے مستعار لیا جو کہ خدا سے بغاوت پر قائم ہے اور جس کی بنیادی ستونوں میں سے ایک ''جمہوریت'' ہے جو کہ زمین پر فساد فی الارض کی آج سب سے بڑی علامت ہے۔

چنانچہ ''جمہوریت'' کو تہذیب حاضر کا بنیادی ستون ماننے کے باوجود جماعت کے طریق کار سے متعلق ذرا درج ذیل الفاظ کو دوبارہ غور سے پڑھیئے، آپ کو خود بہ خود جماعت کے مقصدِ قیام اور طریق کار میں واضح تضاد نظر آجائے گا:

.........جماعت اپنے پیش نظر اصلاح اور انقلاب کے لئے جمہوری اور آئینی طریقوں سے کام کرے گی۔

.........علاوہ ازیں چونکہ جماعت اسلامی اپنے دستور کی رو سے اپنے پیش نظر اصلاح و انقلاب کے لئے جمہوری و آئینی طریقوں پر کام کرنے کی پابند ہے اور پاکستان میں اس اصلاح و انقلاب کے عملاً رونما ہونے کا ایک ہی آئینی راستہ ہے اور وہ ہے انتخابات کا راستہ۔

.........ہمارا ملک جس جمہوری طرز پر چل رہا ہے، اس میں نظام زندگی کی تبدیلی لانے کے لئے بہرحال یہ ناگزیر ہے کہ ہمارے ارکان اور متفقین کی ایک کثیر تعداد عملاً اس جمہوری طرز حکومت کی پوری مشینری سے واقف ہو اور اس کے کام کو چلانے میں مہارت پیدا کرے۔یہ واقفیت اور مہارت کہیں باہر سے نہیں لائی جا سکتی، اسی کام میں پڑ کر بتدریج پیدا کی جا سکتی ہے۔

.........آئینی و جمہوری نظام میں رہتے ہوئے تبدیلی قیادت کے لئے کوئی غیر آئینی راستہ اختیار کرنا شرعاً آپ کے لئے جائز نہیں ہے۔

یعنی یہ کہ جس نظام حیات سے بغاوت کے لئے کھڑے ہوئے اور جس نظام کو جڑ سے اکھاڑ نے کا عزم لے کر میدان آنے کا اعلان کیا لیکن دوسری طرف طریق کار میں اس ہی نظام کی ایک بنیاد.........جمہوریت اور انتخابات.........کا اپنے آپ کو دستوری طورپر پابند کر دیا۔واللہ! یہ کیسی خود فریبی اور بے عقلی ہے کہ جس نظام کو جڑ سے اکھاڑنا جماعت کا مقصد ٹھہرا تھا اسی نظام کی بنیادوں کو مضبوط کرنا جماعت کا دستوری طریق کار ٹھہرا۔

یہ ہے سب سے بنیادی تضاد جو کہ خود جماعت کے مقصدِ قیام اور طریق کار میں پایا جاتا ہے جو کہ جماعت کے مقصدِ قیام کو ہی فوت کر دیتا ہے اور مقصد کے حصول کے لئے کی جانے والی ساری محنتوں کو لا حاصل اور رائیگاں کر دیتا ہے۔نتیجتاً ساری سعی و جدوجہد غیر شعوری طور پرخدا کی بغاوت پر قائم نظام حیات کو اکھاڑنے کے بجائے اس کو مضبوط کرنے میں لگ جاتی ہیں اور نظام باطل مضبوط سے مضبوط تر ہوتا چلا جاتا ہے۔

دوسرا بنیادی تضاد اقامت دین سے متعلق

اب ہم دوسرے لحاظ سے جماعت کے مقصدِ قیام اور اس کے طریق کار میں بیان کردہ واضح تضاد کو سمجھیں گے۔

اگست 1952ء میں جماعت کے پیش کردہ دستور کی تشریح میں فریضۂ اقامت دین کی تعریف یوں کی گئ:

« اقامت دین سے مقصود دین کے کسی خاص حصے کی اقامت نہیں ہے بلکہ پورے دین کی اقامت ہے، خواہ اس کا تعلق انفرادی زندگی سے ہو یا اجتماعی زندگی سے، نماز، روزے اور حج و زکٰوۃ سے ہو یا معیشت و معاشرت اور تمدن و سیاست سے »۔

(اقتباس از"تحریک اسلامی کا آئندہ لائحہ عمل" ص 28)

پھر اسی دستور کی تشریح میں فریضۂ اقامت دین کو بندۂ مومن کی دنیاوی و اخروی نجات کا لازمی حصہ قرار دیتے ہوئے کہا گیا:

« اگر چہ مومن کا اصل مقصد زندگی رضائے الٰہی کا حصول اور آخرت کی فلاح ہے، مگر اس مقصد کا حصول اس کے بغیر ممکن نہیں ہے کہ دنیا میں خدا کے دین کو قائم کرنے کی کوشش کی جائے۔ اس لئے مومن کا عملی نصب العین اقامت دین اور حقیقی نصب العین وہ رضائے الٰہی ہے جو اقامت دین کی سعی کے نتیجے میں حاصل ہوگی »۔

(اقتباس از "تحریک اسلامی کا آئندہ لائحہ عمل" ص 28)

لہٰذا اسی فریضہ کے پیش نظر سید ابو الاعلیٰ مودودی جماعت اسلامی کے قیام کے مقصد کو بیان کرتے ہوئے کہتے ہیں:

« اسلام کا مقصد زندگی کے فاسد نظام کو بالکل بدلنا ہے۔یہ کلی و اساسی تغیر صرف اسی طریقے پر ممکن ہے جو انبیاء علیہم السلام نے اختیار کیا تھا........لہٰذا اب ایک ایسی جماعت کی ضرورت ہے جو صحیح معنوں میں اسلامی جماعت ہو اور اسلامی نصب العین کے لئے اسلامی طریقے پر کام کیا جائے۔اسی بناء پر شعبان 1360ء (اگست41ء) میں اُن لوگوں کا اجتماع منعقد کیا گیا ہے جو صحیح اسلامی اصول پر کام کرنے کے خواہشمند ہیں اور باہمی مشورے سے "جماعت اسلامی" کی بنا ڈالی گئی »۔

(اقتباس از "تحریک اسلامی کا آئندہ لائحہ عمل" ص 27)

1951ء میں جماعت نے اپنا جو منشور پیش کیا تھا اس میں واضح طور پر یہ لکھا تھا کہ:

« یہ جماعت نوع انسانی کے لئے فلاح کی صرف ایک ہی صورت دیکھتی ہے اور وہ یہ ہے کہ انسانی زندگی کا پورا نظام اپنے تمام شعبوں اور گوشوں سمیت خدائے واحد کی بندگی و اطاعت کے اصول پر قائم ہو، اس بندگی و اطاعت کے لئے انبیاء علیہم السلام کی اس راہ نُمائی کو سند مانا جائے جو آج صحیح و کامل صورت میں صرف سیدنا محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی تعلیم ہی میں موجود ہے »۔

(اقتباس از "تحریک اسلامی کا آئندہ لائحہ عمل" ص 29)

ذرا پھر غور فرمایئے! اس اقرار و اظہار پر کہ:

.........اقامت دین سے مقصود دین کے کسی خاص حصے کی اقامت نہیں ہے بلکہ پورے دین کی اقامت ہے۔

.........لٰہذا اب ایک ایسی جماعت کی ضرورت ہے جو صحیح معنوں میں اسلامی جماعت ہو اور اسلامی نصب العین کے لئے اسلامی طریقے پر کام کیا جائے۔

.........اس راہ نُمائی کو سند مانا جائے جو آج صحیح و کامل صورت میں صرف سیدنا محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی تعلیم ہی میں موجود ہے۔

لیکن اس کے باوجود شریعت کی جانب سے عائد کردہ اقامت دین کے فرئضہ کی ادائیگی کے لئے شرعی طریقے کو اختیار کرنے کے بجائے جدید تہذیبِ باطل کے ستونوں میں سے ایک "جمہوریت" کو قرار دینے کے باوجود اس نظام کو یہ کہہ کر اختیار کر لینا کہ:

.........جماعت اپنے پیش نظر اصلاح اور انقلاب کے لئے جمہوری اور آئینی طریقوں سے کام کرے گی۔

بلکہ اس کو اپنے اوپر لازم کرتے ہوئے کہنا:

.........جماعت اسلامی اپنے دستور کی رو سے اپنے پیش نظر اصلاح و انقلاب کے لئے جمہوری و آئینی طریقوں پر کام کرنے کی پابند ہے۔

اور اس پر ستم در ستم یہ کہنا:

.........آئینی و جمہوری نظام میں رہتے ہوئے تبدیلی قیادت کے لئے کوئی غیر آئینی راستہ اختیار کرنا شرعاًآپ کے لئے جائز نہیں ہے۔

کیا جماعت کے مقصدِ قیام اور طریق کار میں کھلا تضاد نہیں؟

جس طرح شریعت نے نماز و روزہ اورحج و زکٰوۃ کی ادائیگی، نظام سیاست سے لے کر نظام معیشت کو چلانے کے لئے نہ صرف مکمل رہنمائی دی ہے بلکہ ان تمام امور کی ادائیگی کے لئے ایک عملی طریق کار بھی مقرر کیا اور اس کے ساتھ ساتھ اس سے انحراف کرنا یا اس کی جگہ کوئی اور طریقہ اختیار کرنا شریعت میں مردود قرار دیا گیا۔تو سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ کیا اقامت دین جیسے اہم فریضے، جس پر تمام فریضوں کی مکمل ادائیگی کا دارومدار ہے، اس کے نفاذ کے لئے شریعت نے مکمل رہنمائی دیتے ہوئے کوئی ''عملی طریق کار'' مقرر نہ کیا ہوگا؟ جس کی وجہ سے جماعت اسلامی ''جمہوری نظام'' اور اس کے سب سے بڑے مظہر انتخابات کے ذریعے ہی ''اقامت دین'' کے فریضے کی ادائیگی کے لئے نہ صرف بضد ہے بلکہ اس طریقہ کو اپنے اوپر لازم کرلیا ہے۔واللہ! یہ تو بہت بڑی نادانی اور خسران کی بات ہے جس پر لوگ عمل پیرا ہیں۔

چنانچہ یہ ہے دوسرا بنیادی تضاد جوکہ فرئضہ اقامت دین کے تناظر میں جماعت کے مقصدِ قیام اور طریق کار کے بیان میں سامنے آتا ہے۔

ایک تلخ حقیقت

یہ ایک تلخ حقیقت ہے کہ سید ابو الاعلیٰ مودودی نے 1941ء میں جب جماعت کی بنیاد ڈالی تو اس وقت دنیا میں رائج نظام باطل اور اس کے بنیادی ستون ....جمہوریت اور انتخابات........کے حوالے سے ان کے جو افکار و خیالات تھے، اُس کو پڑھ کر ایک عام آدمی بھی اندازہ لگا سکتا ہے کہ سید ابو الاعلیٰ مودودی بظاہراً جمہوریت اور انتخابات کی برائیوں سے بخوبی واقف تھے اور وہ اس کو فساد فی الارض میں ہی شمار کرتے تھے۔

چنانچہ ووٹ اور الیکشن سے متعلق اپنے مؤقف کو ایک موقع پر واضح کرتے ہوئے کہتے ہیں:

« ووٹ اور الیکشن کے معاملہ میں ہماری پوزیشن کو صاف صاف ذہن نشین کر لیجئے۔پیش آمدہ انتخابات یا آئندہ آنے والے انتخابات کی اہمیت جو کچھ بھی ہو اور ان کا جیسا کچھ بھی اثر ہماری قوم یا ملک پر پڑتا ہو، بہرحال ایک با اصول جماعت ہونے کی حیثیت سے ہمارے لئے نا ممکن ہے کہ کسی وقتی مصلحت کی بناء پر ہم اُن اصولوں کی

قربانی گورا کر لیں جن پر ہم ایمان لائے ہیں۔موجودہ نظام کے خلاف ہماری لڑائی ہی اس بنیاد پر ہے کہ یہ نظام ”حاکمیت جمہور“ پر قائم ہوا ہے اور جمہور جس پارلیمنٹ یا اسمبلی کو منتخب کریں، یہ اس کو قانون بنانے کا غیر مشروط حق دیتا ہے جس کے لئے کوئی بالا تر سند اس کو تسلیم نہیں ہے۔بخلاف اس کے ہمارے عقیدۂ توحید کا تقاضا یہ ہے کہ حاکمیت، جمہور کی نہیں بلکہ خدا کی ہو اور آخری سند خدا کی کتاب کو مانا جائے اور قانون سازی جو کچھ بھی ہو کتابِ الٰہی کے ماتحت ہو نہ کہ اس سے بے نیاز ››۔

(سہ روزہ ”کوثر“ 28 اکتوبر 1945ء صفحہ 3 بحوالہ تحریک آزادی ہند اور مسلمان)

مئی 1947ء میں جماعت کے اجتماع کے موقع پر کی جانی والی تقریر میں انہوں نے کہا:

‹‹ موجودہ زمانے کی بے دین قومی جمہوریت تمہارے دین و ایمان کے قطعاً خلاف ہے۔تم اس کے آگے سر تسلیم خم کرو گے تو قرآن سے پیٹھ پھیرو گے۔اس (جمہوریت) کے قیام و بقا میں حصہ لو گے تو اپنے رسول سے غداری کرو گے۔اس (جمہوریت) کا جھنڈا اڑانے کے لئے اٹھوگے تو اپنے خدا کے خلاف عَلَمِ بغاوت بلند کرو گے۔جس سے اسلام کے نام پر تم اپنے آپ کو مسلمان کہتے ہو اُس (دین) کی روح اِس ناپاک (جمہوری) نظام کی روح سے، اُس کے بنیادی اصول اِس کے بنیادی اصولوں سے اور اُس کا ہر جز اِس کے ہر جز سے برسر جنگ ہے۔اسلام اور یہ (جمہوری) نظام کہیں ایک دوسرے سے مصالحت نہیں کرتے۔جہاں یہ (جمہوری) نظام برسر اقتدار ہوگا وہاں اسلام نقش بر آب رہے گا اور جہاں اسلام بر سر اقتدار ہوگا وہاں اس (جمہوری) نظام کے لئے کوئی جگہ نہ ہو گی۔تم اگر واقعی اسی اسلام پر ایمان رکھتے ہو جسے قرآن اور محمد صلی اللہ علیہ وسلم لائے تھے تو تمہارا فرض ہے کہ جہاں بھی تم ہو اس قوم پرستانہ لا دینی جمہوریت کی مزاحمت کرو اور اس کے مقابلے خدا پرستانہ انسانی خلافت قائم کرنے کے لئے جدوجہد کرو۔خصوصیت کے ساتھ جہاں تک (مسلمان) بحیثیت ایک قوم بر سر اقتدار ہو وہاں تو اگر تمہارے ہاتھوں سے اسلام کے اصلی نظام کے بجائے یہ کافرانہ (جمہوری) نظام بنے اور چلے تو حیف ہے تمہاری اس مسلمانی پر جس کا نام لینے میں تم اتنے بلند آہنگ اور جس کا کام کرنے سے تم اس قدر بیزار ہو ››۔

اسی طرح ایک اور جگہ سید ابو الاعلیٰ مودودی ”جمہوری انتخابات“ کی شناعت کو مثال دے کر یوں سمجھاتے ہیں:

« جمہوری انتخاب کی مثال بالکل ایسی ہے جیسے دودھ کو بلو کر مکھن نکالا جاتا ہے اگر دودھ زہریلا ہو تو اس سے جو مکھن نکلے گا قدرتی بات ہے کہ دودھ سے زیادہ زہریلا ہو گا۔اسی طرح سوسائٹی اگر بگڑی ہوئی ہو تو اس کے ووٹوں سے منتخب ہو کر وہی لوگ برسر اقتدار آئیں گے جو اس سوسائٹی کی خواہشاتِ نفس سے سند مقبولیت حاصل کر سکیں گے۔پس جو لوگ گمان کرتے ہیں اگر مسلم اکثریت کے علاقے ہندو اکثریت کے تسلط سے آزاد ہو جائیں اور یہاں جمہوری نظام قائم ہو جائے تو اس طرح حکومت الٰہیہ قائم ہوجائے گی (تو) ان کا یہ گمان غلط ہے۔ دراصل اس نتیجے میں جو کچھ حاصل ہوگا وہ صرف مسلمانوں کی کافرانہ حکومت ہوگی۔اس کا نام حکومت الٰہیہ رکھنا اس پاک نام کو ذلیل کرنا ہے »۔

(تحریک آزادی ہند اور مسلمان حصہ دوم ص 142)

پھر تقسیم ہند سے پہلے جو گروہ یہ چاہتا تھا کہ ہندوستان کو تقسیم کروا کر کسی نہ کسی طرح مسلمانوں کو ایک لا دینی ہی سہی، قومی اور جمہوری حکومت قائم کر دی جائے تو اس کا خود سید ابو الاعلیٰ مودودی نے رد سختی کے ساتھ جن الفاظ میں کیا تھا، وہ آج بھی آب زر سے لکھے جانے کے قابل ہیں اور جماعت کے لوگوں کے لئے عبرت و بصیرت کا سامان ہیں۔

سید ابو الاعلیٰ مودودی کہتے ہیں:

« ایک گروہ یہ راستہ تجویز کر رہا تھا کہ پہلے ایک قوم پرستانہ تحریک کے ذریعہ سے قوم پرستی ہی کے معروف اور چلتے ہوئے طریقوں پر کام کرکے مسلمانوں کی ایک لا دینی ہی سہی، قومی و جمہوری ریاست قائم کر دینی چاہیے، پھر اسے اسلامی نظامِ حکومت کے قیام کا ذریعہ بنائیں گے اور جمہوری انتخابات کے واسطے سے اس کو اسلامی ریاست و حکومت میں تبدیل کر دیں گے۔میرا استدلال اس کے جواب میں یہ تھا:

1۔یہ پھیر کا راستہ اختیار کرنے کے بجائے آپ آغاز ہی میں براہ راست اسلامی حکومت قائم کرنے کا وہ راستہ کیوں نہ اختیار کریں جو اس مقصد تک پہنچنے کا فطری راستہ ہے۔

2۔یہ خیال کرنا صحیح نہیں ہے کہ مسلمانوں کی قومی حکومت کا قیام اسلامی نظام حکومت کے قیام میں مدد گار ہو سکتا ہے، یا اس کا مفید ذریعہ بن سکتا ہے۔بلکہ اس کے بر عکس یہ چیز الٹی مانع و مزاحم ہوتی ہے اور بسا اوقات کافروں کی حکومت سے زیادہ کام یاب مزاحمت کرتی ہے۔

3۔یہ خیال کرنا بھی صحیح نہیں ہے اس وقت انتخابات کے ذریعہ سے نظام حکومت کو تبدیل کرنا نسبتاً کوئی آسان کام ہوگا۔دراصل اُس وقت بھی اصلا ح کے لئے وہ سارے پاپڑ بیلنے پڑیں گے جو آج یعنی 40ء میں براہ راست اسلامی نظام حکومت کے قیام کی کوشش میں بیلنے ہوں گے اور اس وقت بھی اس راہ میں ویسی ہی مزاحمتیں ایک بگڑا ہوا مسلمان برسر اقتدار طبقہ کرے گا جیسے آج کفار کر رہے ہیں۔اس لئے اگر یہ سب کچھ اُس وقت بھی پیش آنا ہے تو ہم آج ہی سے وہ کام کیوں نہ شروع کر دیں جس سے دراصل اسلامی حکومت قائم ہوا کرتی ہے اس درمیانی چیزکے قیام میں اپنی قوتیں کیوں صرف کریں جب کہ اسے مدد گار نہیں بلکہ مزاحم ہی بننا ہے »۔

(اقتباس از"تحریک اسلامی کا آئندہ لائحہ عمل" ص 74)

لیکن نہ جانے وقت کے بہتے دھارے کے ساتھ کیا ہوا کہ چیزوں کو پرکھنے اور جانچنے کے معیار ہی بدل گئے۔جو جمہوریت اور انتخابات تقسیم ہند سے پہلے فساد فی الارض کا سب بڑا مظہر اور موًجب تھے، پاکستان بنتے ہی سارے مسائل کا واحد اور مستقل حل قرار پائے، گویا جو چیز زہر قاتل تھی بعد میں وہی آب حیات ٹھہری۔

گو کہ جمہوریت اور انتخابات سے متعلق جو نظریات سید ابو الاعلیٰ مودودی کے شروع میں تھے اس میں تقسیم ہند سے ما قبل ہی تبدیلی آنی شروع ہوگئی تھی اور وہ اس کو مباحات کے دائرے میں شامل کر چکے تھے مگر تقسیم ہند کے بعد تو اس کو اپنی جماعت کے لئے لازم قرار دے کر یہ کہتے ہوئے جمہوریت اور انتخابات کے گورکھ دھندے میں کود پڑے کہ:

« تبدیلی قیادت کے لئے آپ واقعی کچھ کرنا چاہتے ہیں تو اس کی صورت صرف یہ ہے کہ اس گندے کھیل میں پاکیزگی کے ساتھ آیئے.........جعلی ووٹ کے مقابلے میں اصل ووٹ لایئے.........دھونس اور زبردستی ووٹ لینے والوں

کے مقابلے میں ایسے ووٹر پیش کیجئے جو بے خوف ہو کر اپنے ضمیر کے مطابق ووٹ دیں.........دھاندلیوں کے مقابلے میں ٹھیٹھ ایمانداری برت کر دکھایئے۔ایک دفعہ نہیں، دس دفعہ ناکامی ہو تو ہو۔آپ کوئی تبدیلی یہاں لا سکتے ہیں تو اسی طریقے سے لا سکتے ہیں »۔

(اقتباس از "تحریک اسلامی کا آئندہ لائحہ عمل" ص 152)

اور اس گندے کھیل میں شامل ہونے کا نتیجہ یہ نکلا کہ جمہوری انتخابات میں کامیابی کے لئے رافضی شیعوں سے بھی مفاہمت کرنی پڑی جو کہ امت مسلمہ کے لئے ہمیشہ ایک ناسور ثابت ہوئے ہیں اور جن کی گمراہی کے بارے میں مشہور تابعی امام عامر الشعبی رحمہ اللہ نے فرمایا تھا:

« میں تمہیں گمراہ اورخواہش پرستوں سے ڈراتا ہوں اور ان میں شریر ترین "رافضہ" ہیں۔یہ لوگ اسلام میں کسی رغبت و خوف کی بنا پر داخل نہیں ہوئے بلکہ یہ اسلام میں بغض و عداوت کے لیے داخل ہوئے »۔

(منہاج السنة النبویة لابن تیمیة ﷫ الفصل، مشابهة الرافضه للیهود والنصاریٰ من وجوه کثیره)

مگر سید ابو الاعلیٰ مودودی رافضیوں سے متعلق جماعت کی پالیسی کو یوں بیان کرتے ہیں:

« جماعت اسلامی شیعہ حضرات کی مخالف نہیں ہے اور اس سلسلے میں کوئی غلط فہمی باقی نہ رہنے چاہیے، اہل تشیع کئی مواقع پر جماعت کے ساتھ تعاون کر چکے ہیں اور جماعت اسلامی نے گزشتہ 23 سالوں میں شیعہ برادری کے خلاف کوئی کام نہیں کیا »۔

(روزنامہ جسارت کراچی 17 جون 1970 بحوالہ حبل اللہ نمبر 10 ص 35)

یہاں تک کہ ان رافضیوں کے لئے فراخی کا عالم یہ ہوا کہ سید ابو الاعلیٰ مودودی ایک رافضی کو خط لکھتے ہوئے کہتے ہیں:

« میں نہ آپ سے شیعہ عقائد و مسلک چھوڑنے کا مطالبہ کرتا ہوں اور نہ آپ مجھ سے سنی عقیدہ و مسلک چھوڑنے کا مطالبہ کریں۔سنی اور شیعہ ہوتے ہوئے ہم مسلمان ہیں اور اسلام کی خدمت کر سکتے ہیں۔آپ خلافت راشدہ کو قبول نہیں کر سکتے، نہ کیجئے۔کوئی آپ سے مطالبہ نہیں کرتا کہ آپ پہلے تین خلفاء کومان لیں »۔

(مکاتیب سید ابو الاعلیٰ مودودی حصہ دوم صفحہ277)

بالآخر یہ نتائج نکلے اس گندے کھیل میں پڑنے کہ ووٹ بینک مضبوط کرنے کے چکر میں ناموس صحابہ کا بھی سودا کر ڈالا۔

خلاصہ یہ کہ جس سعی لا حاصل سے لوگو ں کو ایک عرصے تک ڈراتے رہے اور مقصد تک پہنچنے کا فطری راستہ اختیار کرنے اور براہ راست اسلامی حکومت قائم کرنے کی طرف لوگوں کو بلاتے رہے اور بقول سید ابو الاعلیٰ مودودی کہ:

« تجربات شاہد ہیں کہ حقیقی جمہوریت آج تک دنیا میں کبھی قائم نہیں ہوسکی اور عقلی دلائل سے یہ ثابت ہوتا ہے کہ ایسا ہونا عملاً محال ہے »۔

(حاشیہ قدیم "اسلام کی دعوت اور مسلمان کا نصب العین" بحوالہ تحریک آزادی ہند اور مسلمان حصہ دوم ص 95)

اس کے باوجود بالآخر خود ہی اس سعی لاحاصل میں جت گئے اور اپنی پوری جماعت کو اس ہی نظام کا پابند کر دیا جس کو دوسرے گروہوں لئے سم قاتل سمجھا جاتا رہا۔کیا خوب کہا تھا کسی شاعر نے:

تھا جو ناخوب بتدریج وہی خوب ہوا

کہ غلامی میں بدل جاتا ہے قوموں کا ضمیر

اور تو اور پہلے خود سید ابو الاعلیٰ مودودی نے .... جمہوریت اور انتخابات ....میں حصہ لینے کے عمل کو دین ایمان کے قطعاًخلاف، قرآن سے منہ پھیرنے، رسول سے غداری، خدا کے خلاف علم بغاوت بلند کرنے کے مترادف قرار دیا، لیکن بعد میں اسی جمہوری طرز عمل کو یہ تاویل کرتے ہوئے اختیار کر لیا کہ:

« 40ء میں جو راستہ اسلامی حکومت قائم کرنے کے لئے میں نے پیش کیا تھا، مسلمانوں نے بحیثیت مجموعی اس کو اختیار نہ کیا۔وہ اسی "درمیانی چیز" کے لئے کوشاں رہے جسے میں نے پھیر کا راستہ کہا تھا۔حتیٰ کہ بالآخر وہ لا دینی جمہوری قومی ریاست پاکستان قائم ہو گئی.........مگر کیا اس کا یہ مطلب تھا، یا اب لینا درست ہے کہ وہ درمیانی چیز جب قائم ہو جائے تو ہمیں اس کو اسلام کی راہ میں اتنا ہی اور ویسا ہی سخت مزاحم بن جانے دینا چاہیے جس کا خدشہ ہم نے ظاہر کیا تھا اور اسے اسلامی نظام کے قیام کا ذریعہ بنانے کی کوشش نہ کرنی چاہیے »۔

(اقتباس از"تحریک اسلامی کا آیندہ لائحہ عمل" ص 77 اور 78)

اس کے ساتھ ساتھ جمہوری نظام کو اختیار کرنے کی ایک وجہ یہ بھی بیان کی:

« بے شک میں نے یہ بھی کہا تھا کہ مسلمانوں کی قومی جمہوری ریاست کو اسلامی ریاست میں بدلنا سخت مشکل کام ہوگا، کیوں کہ عام رائے دہندوں کو گمراہ کر کے نہایت بد کردار لوگ برسر اقتدار آ جائیں گے اور وہ کفار سے بھی زیادہ جسارت کے ساتھ اسلام کی راہ روکنے کی کوشش کریں گے.........مگر کیا اس سے یہ استدلال کرنا درست ہے کہ جب اس طرح کی ریاست وجود میں آ جائے تو ہمیں بد کرداروں ہی کے ہاتھ میں اسے چھوڑ دینا چاہیے اور جمہوری طریقوں سے اس کی قیادت تبدیل کرنے کی کوشش کرنے سے اجتناب کرنا چاہیے »۔

(اقتباس از"تحریک اسلامی کا آئندہ لائحہ عمل" ص 78)

لیکن آج وقت نے بھی یہ ثابت کر دیا کہ سید ابو الاعلیٰ مودودی کی.........جمہوریت اور انتخابات.........سے متعلق تقسیم ہند سے پہلے کی اختیار کردہ رائے نہایت درست تھی اور اپنی پہلی رائے کے بر خلاف دوسری رائے اختیار کرنے میں وہ واضح طورپر ٹھوکر کھا گئے۔

کیونکہ سقوط خلافت سے پہلے مسلمانوں میں کوئی بھی جمہوریت کے نام تک سے واقف نہ تھا البتہ اس کے بعد آج تک نہ صرف پاکستان بلکہ پوری دنیا میں سید ابو الاعلیٰ مودودی کے مطابق کہ ''موجودہ تہذیب کے تین بنیادی ستونوں میں سے ایک جمہوریت ہے'' کے راستے سے دینی جماعتوں کی اول تو کوئی مستحکم حکومت وجود میں نہیں آسکی اور اگر کوئی اس راستے سے کامیاب بھی ہوا تو اس کو حکومت قائم ہی نہیں کرنے دی گئی جیسا کہ ماضی میں الجزائر میں ہوا، یا جلد ہی اس کی حکومت کو''غیر آئینی'' قرار دے کر گرا دیا گیا جیسا کہ ماضی میں فلسطین میں حماس کی حکومت کے ساتھ ہوا، اور اگر کسی جگہ یہ معجزہ رونما ہو بھی گیا جیسا کہ ماضی میں صوبہ سرحد میں ایم ایم اے، اوراب فلسطین میں حماس اور مصر میں اخوان المسلمون کی حکومت، تو کسی ایک جگہ نہ ہی حدود اسلامی میں سے کسی ایک حد کا اجراء ہوسکا اور نہ ہی ان ممالک کی عدالتوں میں مروجہ آئین و دستور کے مقابلے میں کتاب و سنت کو آخری سند کے طور پر تسلیم کیا گیا۔بہرحال جو صاحب بصیرت بھی ''حکومت الٰہیہ'' کے مفہوم سے واقف ہو، وہ ان تمام حکومتوں کے موجودہ طرز عمل کو دیکھ کر ان کو مسلمانوں کی''کافرانہ حکومت'' تو قرار دے سکتا ہے، حکومت الٰہیہ قرار نہیں دے سکتا۔

چند بنیادی سوالات

پاکستان بننے کے بعد سید ابو الاعلیٰ مودودی نے اپنی جماعت کے لئے جمہوری راستے کو نہ صرف اس کو اختیار کرنے بلکہ اس کو ہی واحد راستہ قرار دینے کی جو وجوہات اور دلائل دیئے ہیں، اس کے دو بنیادی نکات ہیں:

(1)........« 40ء میں جو راستہ اسلامی حکومت قائم کرنے کے لئے میں نے پیش کیا تھا، مسلمانوں نے بحیثیت مجموعی اس کو اختیار نہ کیا » ۔

(2)........« جب اس طرح کی ریاست وجود میں آجائے تو ہمیں بد کرداروں ہی کے ہاتھ میں اسے چھوڑ دینا چاہیے اور جمہوری طریقوں سے اس کی قیادت تبدیل کرنے کی کوشش کرنے سے اجتناب کرنا چاہیے »۔

یہ تھی دو وجوہات جن کی بناء پر سید ابو الاعلیٰ مودودی نے یہ جمہوری راستہ اختیار کیا! لیکن اس ضمن میں کچھ سوالات ازخود پیدا ہوتے ہیں:

.........کیا نظام جمہوریت جو کہ فی نفسہ تہذیب باطل کی کوکھ سے برآمد ہوا ہو اور اپنے ساتھ کئی قباحتیں لئے ہو اور شرعی طور پر جس کی کوئی گنجائش بھی نہ ہو اور اس کو خود سید ابو الاعلیٰ مودودی بھی "گندا کھیل" قرار دیتے ہوں، تو پھر کیسے اس کے ذریعے شریعت کا نفاذ کیا جا سکتا ہے؟

.........پھر جو لوگ تقسیم ہند سے پہلے جمہوری طریقے کو اسلامی ریاست کے قیام کے لئے ایک خطۂ زمین کے حصول میں استعمال کرنا چاہتے تھے، سید ابو الاعلیٰ مودودی نے ان کے اس عمل کو دین ایمان کے قطعاً خلاف، قرآن سے منہ پھیرنے، رسول سے غداری، خدا کے خلاف علم بغاوت بلند کرنا قرار دیا لیکن تقسیم ہند کے بعد خود اسی راستے پر گامزن ہوگئے! کیا ان کا یہ طرز عمل شرعی طورپر درست تھا؟

.........سید ابو الاعلیٰ مودودی نے تقسیم ہند سے پہلے اسلامی ریاست کے قیام کے لئے جمہوری عمل کو غلط اس وجہ سے بھی قرار دیا تھا کہ ایسا کرنے والے دینی اعتبار سے لا دین اور سیکولر مزاج کے حامل تھے اور ساتھ میں مسلمانوں کی اکثریت بھی دینی علم اور احکامات سے ناواقف تھی، اور ان کی نظر میں اس کے نتیجے میں ایک لا دین ریاست ہی وجود میں آ سکتی تھی۔اور پھر حقیقت میں جب سب کچھ ایسا ہی ہوا یعنی جب مسلمانوں کی وجود میں آنے والی نئی ریاست کی باگ دوڑ اسی لا دین طبقے کے ہاتھ میں آ گئی اور عوام الناس کے دینی حالات میں بھی کوئی خاص فرق واقع نہیں ہوا، تو ایسی صورتحال میں اسلامی ریاست کے قیام اور اس کے حصول کے لئے جمہوری عمل کو اپنے لئے کیسے جائز قرار دے دیا؟

.........سب سے آخری اور بنیادی سوال جس کے جواب کی وضاحت لازمی طور پر ضروی ہے کہ جب مسلمانوں کی ریاست کا نظم و نسق لا دین اور فساق و فجار کے ہاتھ میں آ جائے تو کیا شریعت نے اس صورتحال کے متعلق کوئی واضح طریقہ کار معین نہیں کیا کہ جس کی بناء پر جمہوری نظام جیسے گندے کھیل کو اختیار کر لیا گیا؟

جمہوریت کے حوالے سے ایک اعتراض اور اس کا جواب

نظام جمہوریت کے قائلین (بشمول جماعت کے اراکین) کی جانب سے ان تمام باتوں کے باوجود ایک استدلال یہ کیا جاتا ہے کہ ہم مغربی جمہوریت کے قائل نہیں اور ہم مغربی جمہوریت کو فساد کی اصل جڑ سمجھتے ہیں، اس کے برعکس ہم ''قرآن و سنت کے تابع جمہوریت'' کے قائل ہیں اور اس کے مطابق ہی ریاست کے نظم و نسق چلانے کے خواہاں ہیں۔اسی طرح بعض لوگ یہ استدلال پیش کرتے ہیں کہ جمہوری نظام میں کچھ چیزیں ایسی بھی پائی جاتی ہے جوکہ اسلامی نظام سیاست سے مشترک ہیں لہٰذا نظام جمہوریت میں پائی جانے والی برائیوں کو دور کرکے اس کی مشترک چیزوں کو اختیار کیا جا سکتا ہے۔

ان استدلال کا جواب یہ ہے کہ، کیا ''ڈیموکریسی'' یعنی جمہوریت نام کی کسی شے کا ذکر قرآن و حدیث میں ملتا ہے؟ اور کیا یہ اسلامی اصطلاح ہے؟ اور کیا جمہوری نظام میں کچھ چیزیں اسلامی نظام سیاست سے مشترک بھی پائی جاتی ہیں؟ اور کیا ریاست کا نظم و نسق چلانے کے لئے اسلام نے اصطلاحات اور طریق کار کا اپنا کوئی باقاعدہ نظام وضع نہیں کیا، جس کی وجہ سے جمہوریت کی اصطلاح کو ''اسلامی'' کا لفظ لگا کر اختیار کرنے کی حاجت محسوس کی گئی؟

ہم سب جانتے ہیں کہ ''جمہوریت'' خالصتاً ایک مغربی اصطلاح ہے جس کی اپنی ایک تعریف طے شدہ ہے اور اس کے مطابق ایک طریقہ کار بھی معین ہے۔جس کا خلاصہ ریاستہائے امریکہ کے صدر ابراہم لنکن نے یوں کیا جوکہ سب کی نزدیک تقریباً متفقہ ہے:

"Government of the people,by the people,for the people"

« عوام کی حاکمیت، عوام کے ذریعے، عوام پر »

جمہوریت میں دراصل ''حاکمیت'' کا حق عوام کو حاصل ہوتا ہے اور ان کا ہر حکم قانون کی حیثیت رکھتا ہے۔گویا وہ حاکمیت جو فرعون اور اس جیسے دوسرے بادشاہ ''دعوئے حاکمیت'' کی صورت میں کرتے تھے اب وہ حاکمیت کا دعویٰ ''عوام کی حاکمیت'' (Sovereignty of the people) کی صورت میں تبدیل ہو چکا ہے۔

چنانچہ علا مہ اقبال اپنی نظم ''ابلیس کی مجلسِ شوریٰ'' میں جمہوریت کے حوالے سے شیطان کی حکمتِ عملی کو اپنے الفاظ کے پیرائے میں یوں بیان کرتے ہیں:

ہم نے خود شاہی کو پہنایا ہے جمہوری لباس

جب ذرا آدم ہوا خود شناس و خود نگر

چنانچہ عوام کی حاکمیت کی صورت میں عوام کے منتخب نمائندے قانون سازی میں با اختیار ہوتے ہیں۔منتخب نمائندوں کی اکثریت جو قانون چاہے بنا سکتی ہے۔اب چاہے امریکہ کی پارلیمنٹ کی اکثریت شراب کو حلال کر دے، چاہے برطانیہ کی پارلیمنٹ کی اکثریت (Homosextuality) یعنی مرد کی مرد سے شادی اور عورت کی عورت سے شادی کے جائز ہونے کا بل تالیوں کی گونج میں پاس کر دے یا چاہے پاکستان کی پارلیمنٹ کی اکثریت ''حدود اللہ'' جو کہ قرآن و سنت میں نصِ قطعی سے ثابت ہیں، اُس میں یکسر تبدیلی کر کے شریعت کی دھجیاں بکھیر دے، یہ تمام اختیار ان کو اس جمہوریت کے نتیجے میں حاصل ہوتا ہے۔

گویا آج کا جمہوری نظام دراصل وہ ''طاغوت'' ہے، جس میں اس با ت کی کوئی قید نہیں کہ قانون سازی کرنے والے کون ہیں؟ اور اُن کا قرآن و حدیث کے بارے میں علم کتنا ہے؟ وہ کس سیرت و کردار کے حامل ہیں؟ اور وہ کن اصولوں اور بنیادوں پر قانون سازی کر رہے ہیں ؟؟ بس اصول ایک ہے، وہ یہ کہ عوام کے منتخب کردہ نمائندوں کی اکثریت نے یہ قانون پاس کیا ہے اور بس!

اسی طرح جمہوریت کی ایک تعریف ''اکثریت کی اطاعت'' بھی قرآن و حدیث سے متصادم ہے اور چونکہ جمہوری نظام کاخاصہ یہ ہے کہ اس کفریہ نظام میں عوام کی غالب اکثریت کی رائے کو ''معیارِ حق'' تسلیم کیا گیا ہے یعنی

عوام کی اکثریت کی جو رائے ہے، وہی حق ہے۔چنانچہ قرآن واضح طور پر اس کفریہ نظام کو یہ کہہ کر رد کر دیتا ہے کہ:

« وَإِن تُطِعْ أَكْثَرَ مَن فِي الْأَرْضِ يُضِلُّوكَ عَن سَبِيلِ اللَّهِ» (سورة الانعام:116)

"اور (اے نبی صلی اللہ علیہ وسلم) آپ اگر کہا مانیں گے اس اکثریت کا جو زمین میں بستی ہے تو وہ آپ کو اللہ تعالیٰ کے راستے سے ہٹا دیں گے"۔

چنانچہ وہ شخص جو کہ علم شرعی سے تھوڑی بہت واقفیت رکھتا ہو، وہ جانتا ہے کہ ایسا کوئی بھی نظام سیاست جو کہ اس جمہوری طریقہ پر وجود میں آئے اور ریاست کا نظم و نسق اس اصول پر چلایا جائے، تو ایسا کرنا صریح کفر و شرک ہے جو کسی بھی صورت اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کو قبول نہیں۔

چنانچہ جمہوری نظام کے برعکس اسلام نے ہمیں "خلافت" کا نظام عطا کیا جس میں حکومت اور قانون سازی کا اختیار صرف اللہ تبارک و تعالیٰ کو حاصل ہے۔وہی « أَحْكَمُ الْحَاكِمِينَ » ہے اور پوری انسانیت اسی کی محکوم ہے۔

ارشادِ باری تعالیٰ ہے:

« إِنِ الْحُكْمُ إِلَّا لِلَّهِ » (سورة یوسف:40)

"حکم دینے کا اختیار صرف اللہ ہی کا ہے"۔

« وَلَا يُشْرِكُ فِي حُكْمِهِ أَحَدًا » (سورة الکھف :26)

"اور نہ ہی اللہ تعالیٰ اپنے حکم کے اختیار میں کسی کو شریک کرتا ہے"۔

اسی طرح شریعت نے ہمیں واضح طورپر صرف اللہ اور اس کے رسول اورشریعت کے دائرے میں اپنے "اولی الامر" کی اطاعت کا حکم دیا ہے نہ کہ "اکثریت کی اطاعت" کرنے کا۔

ارشادِ باری تعالیٰ ہے:

« يَاأَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا أَطِيعُوا اللَّهَ وَأَطِيعُوا الرَّسُولَ وَأُولِي الْأَمْرِ مِنْكُمْ » (سورۃ النسآء:59)

"اے ایمان والو! اطاعت کرو اللہ کی اور اطاعت کرو رسول کی اور اُن لوگو ں کی جو تم میں سے صاحبِ امر ہوں"۔

اسی طرح خلافت میں خلیفۃ المسلمین اللہ کا نائب ہوتا ہے اور وہ قرآن و سنت کے مطابق حکومت کرتا ہے اور کسی بھی معاملے میں وہ "شوریٰ" (وہ لوگ جو قرآن و حدیث کا گہرا علم رکھنے والے ہوں ان کے مشورہ) کے ذریعے قرآن و حدیث کے دیئے ہوئے دائرے کے اندر رہتے ہوئے کام کرتا ہے۔

چنانچہ اللہ تبارک وتعالیٰ کا ارشادِ مبارک ہے:

« يَاأَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا لَا تُقَدِّمُوا بَيْنَ يَدَيِ اللَّهِ وَرَسُولِهِ وَاتَّقُوا اللَّهَ» (سورۃ الحجرات:1)

"اے ایمان والو! اللہ اور اس کے رسول (کے مقرر کردہ حدود) سے آگے نہ بڑھو۔اور (اس معاملے میں) اللہ کی نافرمانی سے بچو"۔

چنانچہ جب یہ ثابت ہو گیا کہ "خلافت" اور "جمہوریت" دو متصادم نظام حیات ہیں۔لہٰذا دونوں ایک دوسرے کی ضد ہی نہیں بلکہ دونوں ایک الگ الگ نظام اور طریقہ کار رکھتے ہیں تو پھر دونوں کو آپس میں خلط ملط کرنے کی جسارت کیوں کی جاتی ہے۔لہٰذا جو لوگ "قرآن و سنت کے تابع جمہوریت" پر بضد نظر آتے ہیں ان کا یہ کلمہ اسی طرح مردود ہے جس طرح کوئی یہ کہے کہ "ہم قرآن و سنت کے تابع کفر و شرک کے قائل ہیں"۔

کیا جمہوریت کو مشرف بہ اسلام کیا جاسکتا ہے؟

حقیقت یہ ہے کہ جو لوگ جمہوریت کو "مشرف بہ اسلام" کرنا چاہتے ہیں یا پھر وہ "اسلامی جمہوریت" جیسی مردود اور مفسد اصطلاحات کے قائل ہیں اور اسلام کے سیاسی نظام کو کسی بھی طرح جمہوریت کے سانچے میں

ٹھونسنے کی کوشش کرتے ہیں۔چنانچہ اس کے لئے جمہوری نظام کے خدوخال کو اسلامی نظام سیاست کے خدوخال سے ثابت کرنے کے لئے خودساختہ اور باطل دلائل گڑھتے ہیں تاکہ جمہوری نظام کو شرعی لبادہ اوڑھا سکیں۔ان کا یہ عمل دو اعتبارات سے باطل اور مردود ہے۔

اوّل یہ کہ جب شریعت کی رو سے کوئی چیز فی الواقع کفر و شرک اور حرام قرار پا جائے تو پھر کسی کو بھی یہ طرز استدلال کرنے کا اختیار حاصل نہیں کہ وہ اس کی صفات کو اسلامی عبادات و احکامات کی صفات سے ملانے کی کوشش کرے۔جیسے کوئی اگر یہ کہے کہ ''سود'' میں تجارت کے بھی کچھ اوصاف پائے جاتے ہیں تو کیا اس کا یہ طرز استدلال قبول کر لیا جائے گا؟ ظاہر ہے کہ شریعت نے ایسے استدلال کو رد کر دیا چنانچہ قرآن نے ایسا طرز استدلال کرنے والے کی مثال کو یوں بیان فرمایا:

« يَتَخَبَّطُهُ الشَّيْطَانُ مِنَ الْمَسِّ » (البقرۃ:275)

''جیسے شیطان نے چھو کر اس کو باؤلا کر دیا ہو''۔

دوم یہ کہ کیا شریعتِ اسلامی کے مقرر کردہ فرائض و احکامات میں کچھ چیزیں اگر کسی اور مذہب کی عبادات و معاملات سے مشترک پائی بھی جائیں تو کیا اللہ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم اس بات کی اجازت دیں گے کہ اس مذہب کی مقرر کردہ عبادات و معاملات میں سے غلط چیزیں اپنی سمجھ کے مطابق ہٹا کر اس کو، اسی مذہبی نام و اصطلاح کے ساتھ اختیار کر لیا جائے؟

اس کی ایک چھوٹی سے مثال یہ ہے کہ جیسے کوئی یہ کہے کہ نماز میں اور ہندوؤں کی پوجا پاٹ میں یہ قدر مشترک پائی جاتی ہے کہ نماز اور پوجا پاٹ دونوں میں ہاتھ باندھ کر کھڑے ہوتے ہیں چنانچہ جب ان دونوں چیزوں میں بڑی مماثلت پائی جاتی ہے لہٰذا ہم آج سے نماز میں اسی طرح ہاتھ باندھ کر کھڑے ہوں گے جیسے کہ پوجا پاٹ میں کھڑے ہوتے ہیں اور پھر اس کا نام ''اسلامی پوجا پاٹ''رکھ دیا جائے۔

یہ ایسا ہی ہے کہ جیسے کوئی یہ کہے کہ عیسائیت یا یہودیت میں بہت ساری باتیں اسلام سے مشترک پائی جاتی ہیں۔ لٰہذا ان میں پائی جانے والی کچھ برائیوں سے اجتناب کرتے ہوئے ان کو بطور نظام حیات اختیار کرنے میں کچھ حرج نہیں اور پھر اس کے لئے وہ ''اسلامی یہودیت'' اور''اسلامی عیسائیت'' کی اصطلاحات وضع کرلے۔اسی طرح کوئی اگر ''اسلامی قادیانیت'' کی اصطلاح ایجاد کرے تو کیا کوئی جاہل سے جاہل اور گناہ گار مسلمان بھی ایسی اصطلاحات کو قبول کرنے پر تیار ہوگا؟ اور کیا ایسا کرنے والے کا دین و ایمان خطرے میں نہیں پڑ جائے گا؟

تو پھر آخر وہ کونسی مجبوری یا آفت آن پڑی ہے کہ ریاست کے نظم و نسق چلانے لئے شریعت کی مقرر کردہ ''خلافت'' کی اصطلاح کو اور اس کے قیام کے لئے بیان کردہ طریقہ کار (جس کی وضاحت ان شاء اللہ تفصیل سے آگے آئے گی) کو چھوڑ کر ''اسلامی جمہوریت '' جیسی مردود اصطلاحات کا سہارا لیا گیا اور اس جمہوری نظام کے قیام کے طریق کار ''انتخابات'' کو، اسلامی نظام کے قیام کے لئے واحد راستہ اور سبیل قرار دیا گیا۔

کیا یہ طرزِ عمل علمائے یہود والا نہیں، جس میں وہ ہر باطل چیز کو حلال کرنے کے لئے حق کا سہارا دے دیا کرتے تھے۔چنانچہ ان کی اسی روش پر قرآن کریم نے تنبیہ کرتے ہوئے فرمایا:

« وَلَا تَلْبِسُوا الْحَقَّ بِالْبَاطِلِ وَتَكْتُمُوا الْحَقَّ وَأَنْتُمْ تَعْلَمُونَ » (البقرۃ:42)

''اور مت ملاؤ حق کو باطل کے ساتھ اور نہ حق کو چھپاؤ جبکہ تم جانتے ہو''۔

جمہوریت سے متعلق عصر حاضر کے چوٹی کے علماء کا مؤقف

جمہوریت کے کفر و شرک ہونے اور اسلام کے مد مقابل ایک علیحدہ دین ہونے کے حوالے سے ہم عصر حاضر کے چند چوٹی کے علماء کا مؤقف بھی پیش کر دیتے ہیں جس سے اندازہ ہو جائے کہ جتنی بھی جمہوری اصطلاحات ہیں، ان کی اسلامی نظام سیاست میں کسی بھی صورت کوئی گنجائش نہیں ہے اور نہ ہی ہمیں شریعت اس بات کی

اجازت دیتی ہے کہ ہم کسی دوسرے سیاسی نظام کو اسلامی لبادہ اڑھانے کے لئے اس کا تقابل اسلامی نظام سیاست سے کریں۔

مشہور سلفی عالم دین مولانا عبد الرحمان کیلانی رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

« مغربی جمہوریت میں پانچ ارکان ایسے ہیں جو شرعاًناجائز ہیں:

1۔خواتین سمیت تمام بالغوں کا حق رائے دہی (بالفاظ دیگر:سیاسی اور جنسی مساوات)

2۔ہر ایک کے ووٹ کی یکساں قیمت

3۔درخواست برائے نمائندگی اور اس کے جملہ لوازمات

4۔سیاسی پارٹیوں کا وجود

5۔کثرتِ رائے سے فیصلہ

ان ارکانِ خمسہ میں سے ایک رکن بھی حذف کر دیا جائے تو جمہوریت کی گاڑی ایک قدم بھی آگے نہیں چل سکتی ہے۔جبکہ اسلامی نظام خلافت میں ان ارکان میں سے کسی ''ایک'' کو بھی گوارا نہیں کیا جا سکتا ہے۔لہٰذا یہ دونوں نظام ایک دوسرے کی ضد ہیں اور ایک دوسرے سے متصادم ہیں۔یعنی نہ تو جمہوریت کو ''مشرف بہ اسلام'' کیا جا سکتا ہے اور نہ ہی نظام خلافت میں جمہوریت کے مروجہ اصول شامل کر کے اس کے سادہ، فطری اور آسان طریق کار کو خوہ مخواہ ''مکدر اور مبہم'' بنایا جا سکتا ہے۔وجہ یہ ہے کہ جمہوریت ایک لا دینی نظام ہے اور اس کے علمبردار مذہب سے بیزار تھے۔جبکہ خلافت کی بنیاد ہی اللہ، اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم اور آخرت کے تصور پر ہے اور اس کے اپنانے والے انتہائی متقی اور بلند اخلاق تھے۔ہمارے خیال میں جیسے دن اور رات یا اندھیرے اور روشنی میں سمجھوتہ نا ممکن ہے، بالکل ایسے ہی دین اور لا دینی یا خلافت یا جمہوریت میں بھی مفاہمت کی بات

نا ممکن ہے۔لہٰذا اگر جمہوریت (یا اس کے اصولوں) کو بہرحال اختیار کرنا ہے تو اسے توحید و رسالت سے انکار کے بعد ہی اپنایا جا سکتا ہے »۔

📖 (خلافت و جمہوریت ،ص:216۔218)

داعیٔ ختم نبوت مولانا یوسف لدھیانوی رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

« بعض غلط نظریات قبولیتِ عامہ کی ایسی سند حاصل کرلیتے ہیں کہ بڑے بڑے عقلاء (اور عالم کہلانے والے بھی) اس قبولیتِ عامہ کے آگے سر ڈال دیتے ہیں، وہ یا تو ان غلطیوں کا ادراک ہی نہیں کر پاتے یا اگر ان کو غلطی کا احساس ہو بھی جائے تو اس کے خلاف لب کشائی کی جرأت نہیں کر سکتے۔دنیا میں جو بڑی بڑی غلطیاں رائج ہیں، ان کے بارے میں اہل عقل اسی لئے المیے کا شکار ہیں! اسی غلط قبولیتِ عامہ کا سکہ آج ''جمہوریت'' میں چل رہا ہے۔جمہوریت دورِ جدید کا وہ ''صنمِ اکبر'' ہے جس کی پرستش اول اول داعیانِ مغرب نے شروع کی۔چونکہ وہ آسمانی ہدایت سے محروم تھے، اس لئے ان کی عقلِ نارسا نے دیگر نظام ہائے حکومت کے مقابلے میں جمہوریت کا بت تراش لیا اور پھر اس کو مثالی طرزِ حکومت قرار دے کر اس کا صور بلند آہنگی سے پھونکا کہ پوری دنیا میں اس کا غلغلہ بلند ہوا، یہاں تک کہ مسلمانوں نے بھی تقلیدِ مغرب میں جمہوریت کی مالا جپنی شروع کر دی۔کبھی یہ نعرہ بلند کیا گیا کہ ''اسلام جمہوریت کا علم بردار ہے'' اور کبھی ''اسلامی جمہوریت'' (جیسی خبیث اصطلاح) وضع کی گئی۔حالانکہ مغرب''جمہوریت'' کے جس بت کا بچاری ہے، اس کا نہ صرف یہ کہ اسلام سے کوئی تعلق نہیں بلکہ وہ اسلام کے سیاسی نظریہ کی ضد ہے۔اس لئے اسلام کے ساتھ جمہوریت (یا اس کی اصطلاحات) کا پیوند لگانا اور جمہوریت کو مشرف بہ اسلام کرنا صریحاً غلط ہے »۔

📖 (آپ کے مسائل اور ان کا حل، جلد 8، ص:176)

شیخ امین اللہ پشاوری حفظہ اللہ اپنی کتاب میں فرماتے ہیں:

« جمہوری انتخابات اور حکومت و عہدے کی طلب بھی بہت بڑا فتنہ ہے اور اللہ کی قسم! یہ عظیم فتنہ "کفر باللہ اور کفر بالاسلام" پر مشتمل ہے اور اپنے اندر تمام کبائر اور گناہوں کو سمیٹے ہوئے ہے۔جو شخص اس بات کو نہیں سمجھتا اسے چاہیے کہ موجودہ دل کی جگہ دوسرا دل، موجودہ عقل کی بجائے دوسری عقل اور موجودہ ایمان کے بدلے اور ایمان اللہ سے مانگے »۔

📖 (الفوائد، انتخابات کا فتنہ، ص 43)

ابو محمد عاصم المقدسی حفظہ اللہ اپنی مشہور معروف کتاب "الدیمقراطیہ دین" میں فرماتے ہیں:

« جمہوریت لا دینیت یا سیکولرازم کی "ناجائز اور غیر قانونی باندی" ہے اور سیکولرازم ایسا "کفری دین" ہے جو زندگی اور ریاست و حکومت سے دین کو نکا ل باہر کرتا ہے۔جمہوریت دراصل عوام یا طاغوت کے فیصلے کو کہتے ہیں اور یہ کسی بھی حال میں اللہ تعالیٰ کا فیصلہ نہیں ہو سکتا۔جمہوریت میں اللہ کے قانونِ محکم کا بالکل اعتبار نہیں، سوائے یہ کہ اللہ کا قانون پہلے دستور کے مطابق ہو جائے یا پھر عوامی خواہشات کے اور ان سب سے پہلے وہ "طاغوت " یا "سربراہ طبقے" کی ترجیحات و اغراض کے عین مطابق ہو جائے........باالفاظِ دیگر یہ جمہوری آزادی ہی تو ہے جو اللہ کے دین اوراس کے قانون اور اس کے حدود کی تمام حد بندیوں سے مکمل آزاد کر دیتی ہے۔ کیونکہ زمینی دستور کا قانون اور وضعی قانون کی حدودیں، اس گندی جمہوریت میں مکمل محفوظ و مامون بھی ہیں اور نافذ العمل بھی ہیں بلکہ جو ان کی خلاف ورزی یا مخالفت کرے اس کے لئے سزا ضروری ہے۔

لٰہذا اے میرے موحد بھائیو! جمہوریت اللہ کے دین کے مد مقابل ایک مستقل دین ہے۔جس میں طاغوت کی حکمرانی ہے نہ کہ اللہ تعالیٰ کی، جھوٹے معبودان متفرقہ کی شریعت ہے نہ کہ اللہ واحد و قہار کی........(لٰہذا) کسی شخص کا دین جمہوریت کے مطابق ان میں حصہ لینا یا حصہ لینے والوں کی موافقت کرنا اور اپنے لئے قانون سازی کو قبول کرنا اور اپنے بنائے ہوئے قانون کو اللہ کی کتاب و قانون پر مقدم کئے جانے کو قبول کر لینا ہی"عین کفر" ہے اور واضح گمراہی ہے بلکہ معبود حقیقی سے ٹکر لے کر اس کے ساتھ شرک کرنا ہے »۔

📖 (الدیمقراطیۃ دین، فصل اول)

مشہور محدث و مفسر علامہ احمد شاکر رحمہ اللہ نے

« أَمْرُهُمْ شُورَىٰ بَيْنَهُمْ »

"اور ان کا معاملہ باہم مشورے سے طے ہوتا ہے"

اس جیسی آیات کے ذریعے اپنی گندی جمہوریت کو جائز قرار دینے والوں کی بڑی مؤثر تردید کی ہے چنانچہ آیات:

« وَشَاوِرْهُمْ فِي الْأَمْرِ » (آل عمران:159)

"اور معاملے میں ان سے مشورہ لو"

« وَأَمْرُهُمْ شُورَىٰ بَيْنَهُمْ » (الشوریٰ:38)

"اور ان کا معاملہ باہم مشورے سے طے ہوتا ہے "

کی تفسیر کے حاشیے میں فرماتے ہیں:

« عصر حاضر میں دین کو مذاق بنا لینے والے علماء وغیرہ ان دونوں آیات کو اپنی باطل تاویل اور گمراہ کرنے کے لئے مشقِ ستم بناتے ہیں تاکہ فرنگی کے بنائے ہوئے دستوری نظام کو جائز قرار دیں جس کا نام انہوں نے "جمہوری نظام " رکھ کر عوام کو دھوکے میں ڈال رکھا ہے یہ لوگ ان دونوں آیات کو سرورق اور ہیڈنگ بناتے ہیں تا کہ اسلام سے منسوب جماعتوں کو دھوکہ دے سکیں۔درحقیقت یہ ایسا کلمہ حق ہے جس سے باطل مقصد پورا کیا جا رہا ہے.........(آگے فرماتے ہیں) نبی علیہ السلام نے فرمایا کہ: "عقلمند اور سمجھ دار مجھ سے قریب رہا کریں"۔ان سے بے دین اور اللہ کے دین سے مصروف جنگ یا اعلانیہ گناہ کرنے والے یا خود کو اللہ کے بنائے ہوئے قوانین کے مخالف قوانین بنانے کا مستحق سمجھنے والے اور اللہ کے دین کو برباد کرنے والے لوگ مراد نہیں جو کفر اور

فسق کے مابین ہوں۔ان کا صحیح مقام یہ نہیں کہ مشیر کے مرتبے پر فائز کئے جائیں بلکہ ان کے لئے تختہ دار یا کوڑا ہے »۔

(عمدۃ التفسیر:3/64-65)

کیا جمہوریت کو حکمت و مصلحت کے نام پر اختیار کیا جاسکتا ہے؟

آخری جملہ معترضہ اگر کوئی رہ جاتا ہے تو وہ یہ کہ ہم انتہائی مجبوری اور اضطرار کی حالت میں جمہوری نظام کو اختیار کر رہے ہیں کیونکہ فی الوقت پوری دنیا میں حکومت حاصل کرنے کا ایک یہی طریقہ رائج بھی ہے اور مقبول بھی، اور یہ کہ ابھی حالات موافق نہیں ہوئے کہ جمہوری نظام کے علاوہ کسی اور طریقے سے حکومت حاصل کی جائے لٰہذا مصلحت اسی میں ہے کہ اسی طریق کار کو اختیار کیا جائے۔

بہتر یہ ہوگا کہ اس کا جواب ہم اگر خود سید ابو الاعلیٰ مودودی کی تحریر ہی سے دے دیں جو کہ انہوں نے ایسی ہی باتیں کرنے والوں کے ردّ میں لکھی تھی۔

سید ابو الاعلیٰ مودودی کہتے ہیں:

« اس قسم کے معاملات میں یہ کوئی دلیل نہیں ہے کہ چونکہ یہ نظام مسلط ہو چکا ہے اور زندگی کے سارے معاملات اس سے متعلق ہیں، اس لئے اگر ہم "انتخابات" میں حصہ نہ لیں اور نظام حکومت میں شریک ہونے کی کوشش نہ کریں تو ہمیں فلاں اور فلاں نقصانات پہنچ جائیں گے۔ایسے دلائل سے کسی ایسی چیز کو جو اصولاً حرام ہو، حلال ثابت نہیں کیا جا سکتا، ورنہ شریعت کی کوئی حرام چیز ایسی نہ رہ جائے گی جس کو "مصلحتوں اور ضرورتوں" کی بناء پر حلال نہ ٹھہرا لیا جائے۔اضطرار کی بناء پر حرام چیزیں استعمال کرنے کی اجازت شریعت میں پائی تو جاتی ہے لیکن اس کے معنی یہ نہیں ہیں کہ آپ خود اپنی غفلتوں سے اپنے "فرائض" کی ادائیگی میں کوتاہی کرکے اضطرار کی حالتیں پیدا کریں، پھر اس اضطرار کو دلیل بنا کر تمام محرمات کو اپنے لئے حلال کرتے جائیں اور اس اضطرار کی حالت کو ختم کرنے کے لئے کوئی کوشش نہ کریں۔جو (جمہوری) نظام اس وقت مسلمانوں پر مسلط

ہوا ہے، جس کے تسلط کو وہ اپنے لئے دلیلِ اضطرار بنا رہے ہیں، وہ آخر ان کی اپنی ہی غفلتوں کا تو نتیجہ ہے۔ پھر اب بجائے اس کے کہ اپنا سرمایۂ قوت و عمل اس نظام کو بدلنے اور ''خالص اسلامی نظام'' قائم کرنے کی سعی میں صرف کریں، وہ اس اضطرار کو حجت بنا کر اسی نظام (جمہوریت) کے اندر حصہ دار بننے اور پھلنے پھولنے کی کوشش کر رہے ہیں »۔

(ترجمان القرآن۔ محرم 65ھ۔ دسمبر 1945ء)

افسوس در افسوس! کہ سید ابو الاعلیٰ مودودی یہ کہنے سے پہلے کہ:

.........جماعت اسلامی اپنے دستور کی رو سے اپنے پیش نظر اصلاح و انقلاب کے لئے جمہوری و آئینی طریقوں پر کام کرنے کی پابند ہے۔

اور یہ کہ:

.........آئینی و جمہوری نظام میں رہتے ہوئے تبدیلی قیادت کے لئے کوئی غیر آئینی راستہ اختیار کرنا شرعاً آپ کے لئے جائز نہیں ہے۔

درج بالا تحریر کو سامنے رکھ لیتے تو آج تک جماعت کی ساری دوڑ دھوپ لا حاصل مقاصد پر نہ لگتی کہ جس کا نہ دنیا میں کوئی اچھا نتیجہ نکلااور نہ ہی آخر ت میں اس پر کوئی اجر و ثواب ملنے کی امید کی جا سکتی ہے بلکہ اُلٹا خسران کا اندیشہ موجود ہے۔چنانچہ آج اس قوم کی خوش قسمتی ہوگی کہ اگر جماعت کے اراکین سے لے کر عام کارکنان تک اس تلخ حقیقت کو جان کر اس سے اجتناب کر لیں۔

اپنے ہی وضع کردہ اصولوں سے واضح انحراف

سید ابو الاعلیٰ مودودی کی جانب سے جمہوری نظام کو مباحات کے دائرے میں لانے کے باوجود اس کو اختیار کرنے کے حوالے سے جماعت کے لئے چند اصول مقرر کئے تھے۔وہ درج ذیل ہیں:

« الیکشن لڑنا اور اسمبلی میں جانا اگر اس غرض کے لئے ہو کہ ایک غیر اسلامی دستور کے تحت ایک لا دینی (Secular)جمہوری (Democratic) ریاست کا نظام چلایا جائے تو یہ ہمارے عقیدۂ توحید اور ہمارے دین کے خلاف ہے۔لیکن اگر کسی وقت ہم ملک کی رائے عامہ کو اس حد تک اپنے عقیدے و مسلک سے متفق پائیں کہ ہمیں یہ توقع ہو کہ عظیم الشان اکثریت کی تائید سے ہم ملک کا دستورِ حکومت تبدیل کر سکیں گے تو کوئی وجہ نہیں کہ ہم اس طریقہ سے کام نہ لیں۔جو چیز لڑے بغیر سیدھے طریقہ سے حاصل ہو سکتی ہو اس کو خوامخواہ ٹیڑھی انگلیوں ہی سے نکالنے کا ہم کو شریعت نے حکم نہیں دیا ہے۔مگر خوب سمجھ لیجئے کہ یہ (انتخابات کا) طریق کار ہم صرف اس صورت میں اختیار کریں گے جب کہ؛

اوّلاً؛ ملک میں ایسے حالات پیدا ہو چکے ہوں کہ محض رائے عامہ کا کسی نظام کے لئے ہموار ہو جانا ہی عملًا اس نظام کے قائم ہونے کے لئے کافی ہو سکتا ہو۔

ثانیاً؛ ہم اپنی دعوت و تبلیغ سے باشندگانِ ملک کی بہت بڑی اکثریت کو اپنا ہم خیال بنا چکے ہوں اور اسلامی نظام قائم کرنے کے لئے ملک میں عام تقاضہ پیدا ہو چکا ہو۔

ثالثاً؛ انتخابات غیر اسلامی دستور کے تحت نہ ہو بلکہ بنائے انتخاب ہی یہ مسئلہ ہو کہ ملک کا آئندہ نظام کس دستور پر قائم کیا جائے »۔

(ترجمان القرآن۔دسمبر1945ء)

چنانچہ اس ضمن میں ہم اوّلاً پہلے دو اصولوں کا مختصر تجزیہ کریں گے اور اس حوالے سے جماعت کا طرز عمل بھی جانیں گے۔

.........پہلے اصول میں دو باتوں کی نشاندہی کی گئی؛ پہلی یہ کہ جمہوری عمل میں شرکت سے پہلے اسلامی نظام کے لئے رائے عامہ کا ہموار ہو جانا اور دوسرا یہ کہ رائے عامہ کا ہموار ہونا بھی کسی نظام کے قیام کے لئے کافی ہو سکتا ہو۔

.........دوسرا یہ اصول طے ہوا کہ دعوت و تبلیغ کے ذریعے ملک کی بہت بڑی اکثریت کو ہم خیال بنایا جا چکا ہو اور یہ بھی کہ اسلامی نظام کے قیام کا عام تقاضہ پیدا ہو چکا ہو۔

اب ان وضع کردہ اصولوں کو سامنے رکھا جائے اور دیکھا جائے کہ:

.... کیا پاکستان کی رائے عامہ شریعت کے نفاذ کے لئے ہموار ہو چکی ہے؟

.........کیا اگر پاکستان میں رائے عامہ کا اس حوالے سے ہموار ہونا ایک لا دین حکومتی و عدالتی نظام اور اس کی محافظ فوج کی موجودگی میں اسلامی نظام کے قیام لئے کافی ہو جائے گا؟

.........کیا پاکستان کی عوام الناس کی اکثریت کو دعوت و تبلیغ کے ذریعے اسلامی نظام کے قیام کی حمایت کے لئے اپنا ہم خیال بنایا جا چکا ہے؟

.........کیا اسلامی نظام کے قیام کے حوالے سے ملک میں عام تقاضہ اور مطالبہ پیدا ہو چکا ہے؟

جو بھی پاکستان کے دینی، سیاسی، معاشی اور معاشرتی حالات سے واقفیت رکھتا ہے وہ اس بات سے انکار نہیں کر سکتا کہ ان تمام اصولوں کے مطابق اب تک پاکستان کے حالات موافق ہو ہی نہیں سکے۔جہاں تک رائے عامہ کے ہموار ہونے کا تعلق ہے تو اس کا اندازہ اسلامی نظام کے قیام کے حوالے سے ملک میں کی جانے والی مختلف اوقات میں مختلف کوششوں، خاص کر گزشتہ سالوں میں لال مسجد و جامعہ حفصہ اور اہلیان سوات کی کوششوں پر رد عمل سے کیا جا سکتا ہے!

پھر اس پر مزید یہ کہ اسلامی نظام کے قیام کی کوششوں سے متعلق رائے عامہ کے تھوڑے بہت ہموار ہونے کے باوجود جو رد عمل لا دین حکومتی و عدالتی نظام اور اس کی محافظ فوج کی طرف سے آیا ہے، اس کے آگے اس رائے عامہ کی کوئی حیثیت نہیں.........اور دعوت و تبلیغ آج تک اس انداز میں دی ہی نہیں جا سکی جس کی وجہ سے عوام الناس کی اکثریت کو اسلامی نظام کے قیام کی حمایت کے لئے اپنا ہم خیال بنایا جا سکے جس کی وجہ سے ملک میں شریعت کے نفاذ کا تقاضہ و مطالبہ زور پکڑ سکے۔

حقیقت یہ ہے کہ جمہوری عمل میں جماعت کی شرکت سے متعلق اپنے ہی وضع کردہ اصولوں (کو جن کی حقیقت میں کوئی اصل نہیں تھی ان) کا پاس نہ ہی جماعت کے امیر و بانی نے کیا اور نہ ہی آج تک جماعت ان اصولوں پر کاربند ہو سکی بلکہ اپنے ہی وضع کردہ اصولوں کی خود ہی جس طرح دھجیاں بکھیری گئیں، اس کی شاید ہی کوئی مثال کسی منظم اور اصولی جماعت کی تاریخ میں ملتی ہو۔

یہ ہیں وہ تضادات جو کہ جماعت کے مقصدِ قیام اور اس کے طریق کار کے بیان میں، جماعت کے دستور اور اس کے بانی کے افکار و نظریات اور طریق کار میں پائے جاتے ہیں۔

کیا پاکستان کا دستور اسلامی ہے؟

سید ابو الاعلیٰ مودودی نے اپنی جماعت کی جانب سے انتخابات میں حصہ لینے کے لئے جو شرط بیان کی کہ:

.........الیکشن لڑنا اور اسمبلی میں جانا اگر اس غرض کے لئے ہو کہ ایک غیر اسلامی دستور کے تحت ایک لا دینی (Secular) جمہوری (Democratic) ریاست کا نظام چلایا جائے تو یہ ہمارے عقیدۂ توحید اور ہمارے دین کے خلاف ہے۔

اور یہ کہ:

.........انتخابات غیر اسلامی دستور کے تحت نہ ہو بلکہ بنائے انتخاب ہی یہ مسئلہ ہو کہ ملک کا آئندہ نظام کس دستور پر قائم کیا جائے۔

تو اس ضمن میں یہ جان لیتے ہیں آیا واقعتاً پاکستان کا آئین "اسلامی" ہے، جس کی بنیاد پر جماعت گزشتہ ساٹھ پچاس برس سے الیکشن میں حصہ لے رہی ہے۔

اس پہلے کہ ہم اس بات کا جائزہ لیں کہ کیا پاکستان کا آئین "اسلامی" ہے، ہم اس بات کو جان لیتے ہیں کہ کیا کتاب و سنت کے بعد کسی اور دستور کی شرعی طور پر گنجائش بھی موجود ہے یا نہیں؟

حقیقت یہ ہے کہ ''دین اسلام'' کے قانون شریعت کے تکمیل کے بعد کسی نئے ''آئین و دستور'' کی ضرورت نہیں بلکہ صرف اس کے عملی نفاذ کی ضرور ت ہوتی ہے، لیکن پھر بھی اس کے عملی نفاذ کے بجائے یہ تسلیم کر لینا بہت بڑی گمراہی اور صریح کفر ہے کہ شریعت کا نفاذ اس وقت تک ممکن ہی نہیں جب تک ''آئین و دستور'' نامی انسانی دستاویز میں اس بات کو لکھ نہیں دیا جائے کہ حاکمیت صرف اللہ کی ہوگی اور صرف قرآن و سنت کے مطابق قانون سازی کی جائے گی۔

گویا کہ اللہ کی نازل کردہ شریعت، اپنے عملی نفاذ کے لئے اس بات کی محتاج ہے کہ پہلے ایک ''آئین و دستور'' نامی انسانی دستاویز وضع کی جائے پھر اس کے بعد وہ اپنے عملی نفاذ میں اس کی بھی محتاج ہے کہ اس دستور میں باقاعدہ واضح طور پر لکھا جائے کہ ملک کا قانون قرآن و سنت کے مطابق ہوگا، ورنہ بصورت دیگر اس کا عملی نفاذ ممکن ہی نہیں۔

واللہ! اللہ رب العزت نے اپنی شریعت مطہرہ کو نازل کرنے کے بعد کہیں یہ شرط نازل نہیں کی کہ اس کے عملی نفاذ سے پہلے اس کے لئے ایک ''آئین و دستور'' بناؤ اور اس بات کو اس میں واضح طور پر لکھو، اور نہ ہی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور آپ کے صحابہ کرام رضوان اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین نے ایسی کسی شرط کو بیان کیا اور نہ ہی بعد میں امت مسلمہ کو کبھی شریعت کے عملی نفاذ کرنے کے لئے اس قسم کے کام کی کوئی حاجت محسوس ہوئی۔

اس کے باوجود بھی اگر کوئی اس خذلان میں مبتلا رہنے پر بضد ہے کہ پاکستان کا آئین و دستور''اسلامی'' ہے اور اس کے ذریعے اسلامی نظام قائم کیا جا سکتا ہے۔ان شاء اللہ! ہم اس خذلان کو بھی مختصراً دور کرنے کی کوشش کریں گے تاکہ اس حوالے کوئی قیل و قال باقی نہ رہے۔

سب سے پہلا بنیادی سوال یہ ہے کہ دستورِ پاکستان کے مطابق کسی بھی اہم امور سے متعلق قانون (چاہے وہ شریعت سے لیا گیا ہو یا کہیں اور سے) اس وقت تک قابل عمل اور ملکی قانون کاحصہ نہ بن سکتا جب تک

پارلیمنٹ کی ''دو تہائی اکثریت'' اس کو منظور نہ کر لے، تو کیا ایسی کسی بھی شرط کے ساتھ واضح شرعی نصوص سے ثابت ''شرعی قوانین'' کو باندھنا شرعی طور پر جائز ہو گا؟ کیا یہ پرلے درجے کی گمراہی قبیح قسم کا کفر نہیں ہو گا؟

پھر دوسرا سوال دستورِ پاکستان کو اسلامی آئین قرار دینے والوں سے یہ سوال ہے کہ ذرا انسانی ہاتھ کے وضع کردہ اس آئین کو پڑھ کر یہ بتلا دیں کہ شریعت کی مقررکردہ وہ کون سی ایک ''حد'' ہے جس کو اس دستور میں بغیر کسی کانٹ چھانٹ اور ترمیم و تحریف کے لکھ دیا گیا ہو۔قصاص کے معاملے میں شریعت کی واضح نصوص سے ثابت سزائے موت سے لے کر چور کے ہاتھ کاٹنے کی سزا تک، زناء کاری کی سزا سے لے کر شراب نوشی و شراب فروشی کی سزا تک وہ کونسی حد ہے جو ہوبہو نافذ کر دی گئی ہو یا اس کو بغیر کسی ترمیم و تحریف کے دستور میں تسلیم کر لیا گیا ہو۔

کیا اللہ کی نازل کردہ شریعت کی مقرر کردہ سزاؤں کے بارے میں کسی کو یہ حق حاصل ہے کہ وہ اس میں کسی قسم کی کمی و زیادتی کر سکے اور جو کوئی ایسا فعل انجام دے تو اس کے بارے میں شریعت کا حکم کیا ہے؟

سید ابوالاعلیٰ مودودی اپنی تفسیر میں ایک حدیث نقل کرتے ہیں کہ:

« يؤتى بوال نقص من الحد سوطاً، فيقال له لم فعلت ذاك؟ فيقول رحمة لعبادك، فيقال له أنت أرحم بهم مني! فيؤمر به الى النار، ويؤتى بمن زاد سوطاً فيقال له لم فعلت ذلك؟ فيقول لينتهوا عن معاصيك، فيقول أنت أحكم به مني! فيؤمر به الى النار »

''قیامت کے روز ایک حاکم لایا جائے گا جس نے حد میں سے ایک کوڑا کم کر دیا تھا۔پوچھا جائے گا یہ حرکت تو نے کیوں کی تھی؟ وہ عرض کرے گا آپ کے بندوں پر رحم کھا کر۔ارشاد ہوگا کہ کہ اچھا! تو ان کے حق میں مجھ سے زیادہ رحیم تھا! پھر حکم ہوگا کہ لے جاؤ اسے دوزخ میں۔ایک اور حاکم لایا جائے گا جس نے حد پر ایک کوڑے کا اضافہ کر دیا تھا۔پوچھا جائے گا کہ تو نے یہ کس لئے کیا تھا؟ وہ عرض کرے گا تاکہ لوگ آپ کی

نافرمانیوں سے باز رہیں۔ارشاد ہوگا کہ تو ان کے معاملے میں مجھ سے زیادہ حکیم تھا! پھر حکم ہوگا لے جاؤ اسےدوزخ میں »۔

📖 (تفسیرالرازی ج 11 ص 239۔الکشاف ج 4 ص 375۔بحوالہ تفہیم القرآن جلد سوم صفحہ 344)

ان تمام حقائق کے باوجود ایسا آئین جس کے بس ماتھے پر یہ لکھ دیا گیا ہو کہ یہ "اسلامی" ہے مگر شریعت کی مقررکردہ حدود سے لے کر چھوٹے سے چھوٹے معاشی و معاشرتی قوانین تک ،کسی کو بغیر کسی ترمیم و تحریف کے تسلیم اور نافذ کیا گیا ہو، تو کیا اس آئین کو تسلیم کرنے کی کوئی شرعی حیثیت باقی رہ جاتی ہے؟ اور پھر یہ کہ کیا دستورِ پاکستان میں وہ قوانین بھی شامل نہیں ہیں جو کہ شریعت کے بنیادی نصوص سے بالکل متصادم ہیں اور وہ انگریز کے بنائے قوانین سے مستعار لئے گئے ہیں اور اگر ان کوفی الواقع تسلیم کر لیا جائے تو وہ اسلام کی بنیادیں گرا دینے کے لئے کافی ہیں۔

چنگیز خان کا وضع کردہ دستور یاسق

کیا ایسے آئین و دستور کی مثال چنگیز خان کے وضع کردہ دستور "یاسق" کی مانند نہیں ہے جس کو چنگیز خان نے بطور ایک دستور کے تصنیف کیا تھا اور اس میں یہودیت، نصرانیت اور اپنی خواہشات پر مبنی قوانین وضع کئے تھے اور ساتھ میں کچھ اسلامی قوانین کی جھلک ترمیم و تحریف کے ساتھ رکھ دی تھی اور بعد میں اس کی اولاد نے اسلام قبول کرنے کے باوجود اس کو بطور ملک کے "آئین و دستور" کے نافذ کیا تھا۔

امام ابن کثیر رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

« چنگیز خان نے تاتاریوں کے لئے "یاسق" وضع کیا تھا۔یاسق اس "مجموعہ قوانین" کا نام ہے جو چنگیز خان نے مختلف مذاہب، یہودیت، نصرانیت اور اسلام وغیرہ سے لے کر مرتب کیا تھا۔اس میں بہت سے ایسے احکام بھی تھے جو کسی مذہب سے ماخوذ نہیں تھے وہ محض چنگیز خان کی خواہشات اور اس کی صوابدید پر مبنی تھے۔یہ کتاب بعد میں قابل اتباع قرار پائی اور وہ اس کتاب کو اللہ اور اس کے رسول للہ صلی اللہ علیہ وسلم کے احکامات پر بھی

مقدم رکھتے تھے۔ان میں سے جس جس نے بھی ایسا کیا ہے وہ کافر ہے، واجب القتل ہے جب تک کہ (وہ ایسے مجموعہ قوانین سے) توبہ کر کے اللہ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے احکام کی طرف نہ آئے اور ہر قسم کا چھوٹا بڑا فیصلہ اللہ کی کتاب اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی سنت کے مطابق نہ کرے »۔

📖 (تفسیر ابنِ کثیر رحمہ اللہ ج:2 ص:68)

شیخ حامد الفقی رحمہ اللہ، ابن کثیر رحمہ اللہ کے درج بالا قول پر تبصرہ کرتے ہوئے دور حاضر کے رائج ''آئین و دستور'' کے بارے میں فرماتے ہیں:

« ان تاتاریوں کی طرح بلکہ ان سے بھی بد تر وہ لوگ ہیں جو انگریزوں کے قوانین اپناتے ہیں اور اپنے مالی، فوجداری اور عائلی معاملات کے فیصلے ان کے مطابق کرتے ہیں اور ان انگریزی قوانین کو اللہ اور اس کے رسول للہ صلی اللہ علیہ وسلم کے احکامات پر مقدم رکھتے ہیں۔ایسے لوگ بغیر کسی شک و شبہ کے ''مرتد اور کافر'' ہیں اور جب تک وہ اس روش پر قائم رہیں اور اللہ کے حکم کی طرف رجوع نہیں کریں تو وہ اپنا نام کچھ بھی کیوں نہ رکھ لیں، انہیں اس سے کوئی فائدہ نہیں ہو گا اور وہ اسلام کے ظاہری اعمال میں سے جتنے چاہیں عمل کر لیں، وہ سب کے سب بیکار ہیں جیسے نماز، روزہ اور حج و عمرہ وغیرہ''۔

📖 (فتح المجید:838)

آج شریعت کے عملی نفاذ کو آئین و دستور کے ساتھ مشروط کرنا مسلمانوں پر مسلط کلمہ گو طواغیت کا رچایا ہوا ڈرامہ ہے جس کے ذریعے وہ ہرمسلمان، چاہے وہ عالم ہو یا جاہل، اس کی ساری سعی و جدوجہد کو شریعت کے عملی نفاذ سے ہٹا کر آئین و دستور کی تدوین اور اس کو اسلامی بنانے میں ہی برباد کروانا چاہتے ہیں اورخود وہ بغیر کسی مزاحمت و مخالفت کے، اپنی خواہشات نفسانی پر مبنی یا اپنے بیرونی آقاؤں کے وضع کردہ آئین و دستور سے مستعار لئے ہوئے قوانین کو ملکی آئین و دستور میں شامل کرنے کے باوجود ''خلیفۃ المسلمین '' کے عہدے پر فائز

رہیں اور ان سے بغاوت کرنے والا ان ہی کے وضع کردہ آئین و دستور کے مطابق باغی، مجرم اور قابل گردن زنی قرار پائیں۔

وضعی آئین و دستور کے بارے میں علمائے حق کا فیصلہ:

درحقیقت شریعت کے نفاذ کو آئین و دستور کی منظوری سے مشروط کرنے کے حوالے سے عصر حاضر کے اکثر اہل علم دھوکہ کھا گئے۔جن میں سید ابو الاعلیٰ مودودی بھی شامل ہیں۔مگر کچھ اہل علم و عمل ایسے بھی ہیں جنہوں نے اس مکر و فریب کا پردہ چاک کیا اور حقیقت عوام الناس کے سامنے کھول کر رکھ دی۔

سعودی عرب کے سابق مفتی عام اور کبار علماء میں سے ایک شیخ محمد بن ابراہیم آل الشیخ رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

« لوگوں کے بنائے ہوئے قوانین کو جو کہ دراصل شیطان کے نازل کردہ ہیں، محمد صلی اللہ علیہ وسلم پر نازل شدہ قوانین پر ترجیح دینا یا اس کے ہم پلہ سمجھنا واضح، صریح اور بڑا کفر ہے۔اللہ تعالیٰ نے محمد صلی اللہ علیہ وسلم پر قوانین نازل ہی اس لئے کئے تھے کہ سارے جہاں میں انہیں نافذ کر دیں، تمام متنازعہ اُمور کے فیصلے اس دین کے ذریعہ سے ہوں »۔

📖 (رسالۃ تحکیم القوانین)

علامہ شنقیطی رحمہ اللہ سورۃ الکہف کی آیت

« لَا يُشْرِكُ فِي حُكْمِهِ أَحَدًا » (سورۃالکھف:26)

"اللہ تعالیٰ اپنے حکم میں کسی کو شریک نہیں کرتا۔"

کی تفسیر میں فرماتے ہیں:

« اس آیت کا مطلب یہ ہے کہ کوئی بھی شخص اللہ کے حکم میں کسی بھی قسم کے احکام کی آمیزش نہ کرے، حکم صرف اور صرف اللہ ہی کا "تسلیم" کرے۔آیت سے ثابت ہوتا ہے کہ جو بھی حکم، جو فیصلہ اللہ نے کر دیا

ہے اسے بغیر کسی ملاوٹ کے ''تسلیم'' کرنا ہے۔اللہ کے فیصلوں میں سب سے پہلا فیصلہ ہے اس کے بنائے اور نازل کئے ہوئے قوانین کے مقابلے میں جو لوگ انسانوں کے بنائے ہوئے قوانین کی اتباع کرتے ہیں، جوکہ دراصل شیطانی قوانین ہیں جو اس نے اپنے متبعین کے ذریعہ بنوائے ہیں، یہ سراسر اللہ کی شریعت کے خلاف ہیں اور ان کی تابعداری کرنے والے بلا شک و شبہ کافر ہیں، اللہ نے ان کی بصارت و بصیرت (دونوں) چھین لی ہے۔ یہ لوگ وحی الٰہی کے نور سے مکمل طور پر محروم ہیں »۔

📖 (اضواء البیان: 4 / 82۔83)

داعیٔ ختم نبوت مولانا یوسف لدھیانوی شہید رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

« خلافت میں حکمران کے لئے بالا تر قانون ''قرآن و سنت'' ہے، اور اگر مسلمانوں کا اپنے حکام کے ساتھ نزاع ہوجائے تو اس کو اللہ و رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف لوٹایا جائے گا اور کتاب و سنت کی روشنی میں اس کا فیصلہ کیا جائے گا، جس کی پابندی راعی و رعایا دونوں پر لازم ہوگی۔جبکہ جمہوریت کا فتویٰ یہ ہے کہ مملکت کا ''آئین'' سب سے مقدس دستاویز ہے اور تمام نزاعی امور میں ''آئین و دستور'' کی طرف رجوع لازم ہے، حتیٰ کہ عدالتیں بھی آئین کے خلاف فیصلہ صادر نہیں کر سکتیں۔لیکن (حال یہ ہے کہ) ملک کا دستور اپنے تمام تر تقدس کے باوجود عوام کے منتخب نمائندوں کے ہاتھ کا کھلونا ہے۔وہ مطلوبہ اکثریت کے بل بوتے پر اس میں جو چاہیں ترمیم و تنسیخ کرتے پھریں، کوئی ان کو روکنے والا نہیں اور مملکت کے شہریوں کے لئے جو قانون چاہیں بنا ڈالیں، کوئی ان کو پوچھنے والا نہیں »۔

📖 (آپ کے مسائل اوران کا حل، جلد 8، ص:176)

مالاکنڈ ڈویژن کے مشہور عالم ربانی مولانا ولی اللہ کابل گرامی شہید رحمہ اللہ پاکستان کے کفری دستور کے بارے میں فرماتے ہیں:

«وهم يدعون أنها دولة اسلامية، بل هی حصن الاسلام۔ وأما فی نفس الأمر، فلست دولة باكستان دولة اسلامية، ولا دار اسلام لأن دستورها دستور كفری، وبالصلوة والصيام واقامة الجمعة والأعياد لا تكون اسلامية، و الا فتكون دول أوروبا وأمريكا وغيرها دولة اسلامية بعين هذا الدليل ﴿هُمۡ لِلۡكُفۡرِ يَوۡمَئِذٍ اَقۡرَبُ مِنۡهُمۡ لِلۡاِيۡمَانِ يَقُوۡلُوۡنَ بِاَفۡوَاهِهِم مَّا لَيۡسَ فِىۡ قُلُوۡبِهِمۡ وَاللّٰهُ اَعۡلَمُ بِمَا يَكۡتُمُوۡنَ﴾ (آل عمران:167) »۔

" وہ (لوگ جو) بالعموم دعویٰ کرتے ہیں کہ پاکستان ایک اسلامی ریاست بلکہ "اسلام کا قلعہ" ہے۔حقیقت یہ ہے کہ ارباب حکومت کچھ بھی کہیں، نہ تو پاکستان ایک اسلامی ملک ہے، نہ ہی یہ کسی طرح "دارالاسلام" کہلاسکتا ہے، کیونکہ اس کا دستور ایک "کفری دستور" ہے۔محض نماز، روزے اور جمعہ و عیدین کی ادائیگی سے کوئی خطہ دار الاسلام نہیں بن جاتا، وگرنہ تو عین اسی دلیل کی بناء پر یورپ اور امریکا کے بھی بہت سے علاقے دارالاسلام قرار پائیں گے۔(ایسی دلیلیں دینے والوں کے بارے میں قرآنی حکم یہ ہے کہ)"یہ اُس دن ایمان کی نسبت کفر سے زیادہ قریب تھے۔مونہوں سے وہ باتیں کہتے ہیں جو اُن کے دل میں نہیں ہیں اور جو کچھ یہ چھپاتے ہیں اللہ اس سے خوب واقف ہے"۔

📖 (اعلام الأعلام بمفهوم الدين والاسلام أورفع الحجاب عن مضار الجمهورية والانتخاب، ص:333تا334)

علامہ احمد شاکر رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

«ان الأمر فی هذه القوانين الوضعية واضح وضوح الشمس، هی كُفرٌ بواح. لا خفاء فيه ولا مداورة، ولا عذر لأحد ممن ينتسب لاسلام۔ كائناً من كان۔ فی العمل بها، أو الخضوع لها أو اقرارها، فليحذر امرؤ لنفسه، وكل امرئٍ حسيبُ نفسه، ألا فليصدع العلماء بالحق غير هيابين وليبلغوا ما أمروا بتبليغه غير موانين ولا مقصرين»۔

''یقیناان ''وضعی قوانین'' کا معاملہ اظہر من الشمس ہے۔ان قوانین کا کفریہ ہونا اتنا واضح اور بیّن امر ہے جس میں کسی شک و تردد کی کوئی گنجائش نہیں۔پس اپنے آپ کو اسلام کی طرف منسوب کرنے والے کسی بھی شخص کے لئے.........خواہ وہ کوئی بھی ہو.........ان قوانین پر عمل کرنے، ان کے سامنے سرِ ''تسلیم'' خم کرنے یا انہیں ماننے کا کوئی جواز نہیں۔ہر شخص کو چاہیے کہ وہ اس فتنے سے بچنے کی فکر کرے اور ہر شخص خود ہی اپنا محاسبہ کرنے کے لئے کافی ہے۔بالخصوص علمائے حق کی یہ ذمہ داری ہے کہ آج وہ ہر خوف اور خطرے سے بے پرواہ ہوکر حق بات اعلانیہ کہہ ڈالیں اور کسی تاخیر و تقصیر کے بغیر اللہ کے احکام لوگوں تک پہنچائیں''۔

📖 (عمدۃ التفسیر، ج: 4 ص: 174)

واللہ! ان تمام دلائل و براہان کے بعد ہم پر لازم ہے کہ ہم شریعت کے عملی نفاذ کو انسانوں کے بنائے ہوئے آئین و دستور کی زنجیروں میں جکڑ نے سے اللہ کی پناہ میں آجائیں اور ہر ایسے آئین و دستورکو، جس کے ذریعے ایسا کرنے کی کوشش کی جائے، اُس کو قابل عمل سمجھنے کے بجائے جلا کر سمندر برد کر دینے کو اپنا دینی فریضہ سمجھیں۔